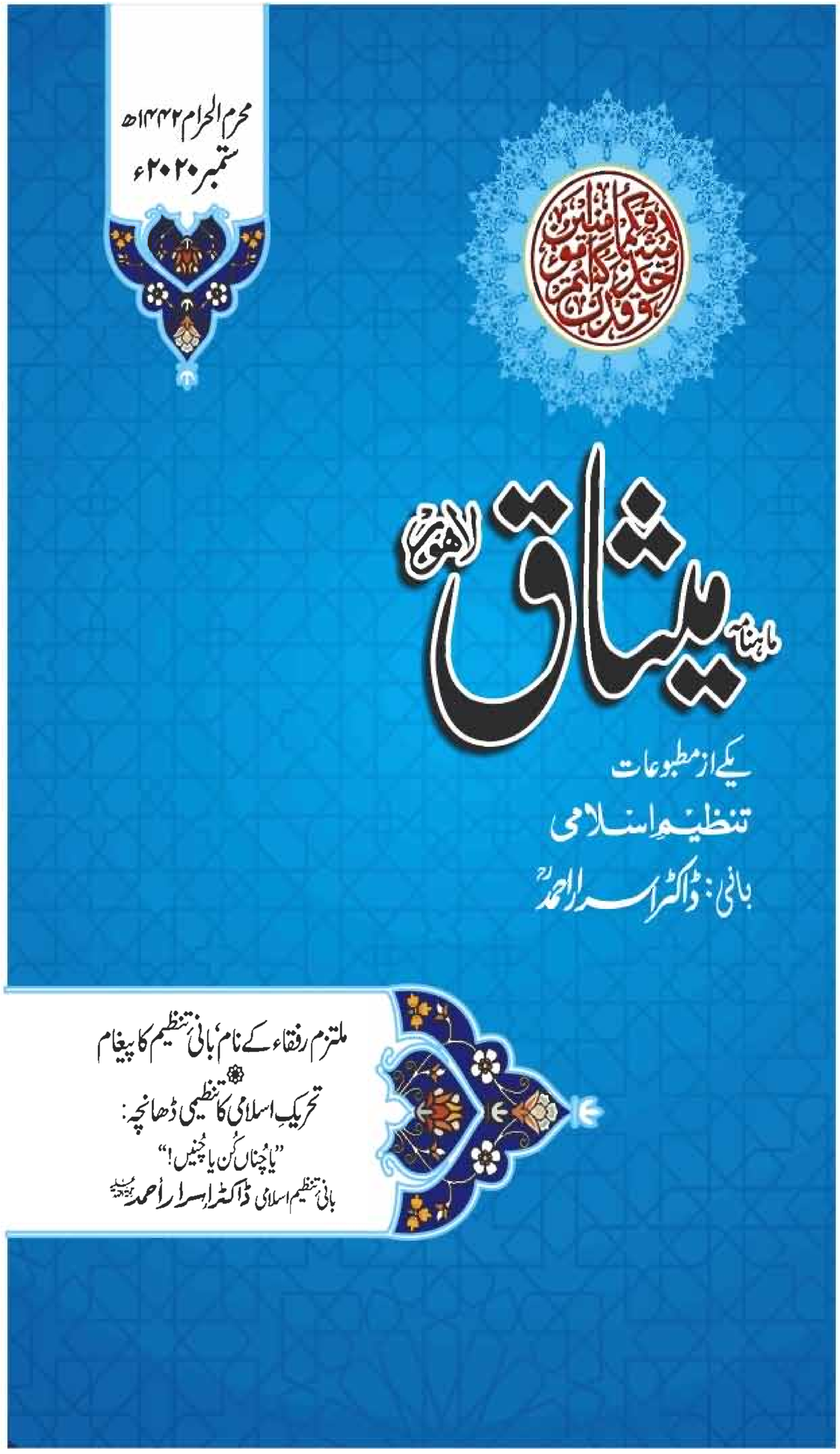

محرم الحرام ۱۴۴۲ھ
ستمبر ۲۰۲۰ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ملتزم رفقاء کے نام، بانیٔ تنظیم کا پیغام

تحریکِ اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ:
”یا چُناں کُن یا چُنیں!“
بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ

جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کے لیے دینی علوم کے حصول کا نادر موقع

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

جاری کردہ: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

رجوع الی القرآن کورس

(دورانیہ ۹ ماہ)

عرصہ 38 سال سے باقاعدگی سے جاری تعلیمی سلسلہ

مضامینِ تدریس

پارٹ ۱ (سالِ اوّل) برائے مرد و خواتین

- تجوید و ناظرہ
- عربی گرامر (صرف و نحو)
- ترجمہ قرآن (مع تفسیری و لغوی توضیحات)
- دورہ ترجمہ قرآن
- قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی
- سیرت و شمائل النبی ﷺ
- مطالعہِ حدیث و اصطلاحاتِ حدیث
- فکرِ اقبال
- فقہ العبادات
- معاشیاتِ اسلام
- اضافی محاضرات

پارٹ ۲ (سال دوم) برائے مرد حضرات

- عربی زبان و ادب
- اصولِ تفسیر
- تفسیر القرآن
- اصولِ حدیث
- درسِ حدیث
- اصول الفقہ
- فقہ المعاملات
- عقیدہ (طحاویہ)
- اضافی محاضرات

آغازِ تدریس: 15 ستمبر سے (اِن شاءاللہ)
10 اگست 2020ء سے رجسٹریشن کا آغاز ہو چکا ہے۔

ایامِ تدریس: پیر تا جمعہ

نوٹ: بیرونِ لاہور رہائشی حضرات کے لیے ہاسٹل کی محدود سہولت پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیاد پر موجود ہے۔

اوقاتِ تدریس: صبح 8 بجے تا 12:30

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی خدماتِ قرآنی کا مرکز —— قرآن اکیڈمی
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
email:irts@tanzeem.org
www.tanzeem.org

زیر انتظام مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ) ——
مزید تفصیلات کے لئے www.tanzeem.org
03161466611 - 04235869501-3

وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمِيۡثَاقَهُ الَّذِىۡ وَاثَقَكُمۡ بِهٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد :	69
شمارہ :	9
محرم الحرام	1442ھ
ستمبر	2020ء
فی شمارہ	-/40

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

- اندرونِ ملک 400 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقامِ اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700 ' فون: 3-35869501
فیکس: 35834000' ای میل: maktaba@tanzeem.org

رابطہ برائے ادارتی امور: 38939321(042)
publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: ''دارُالاسلام'' ملتان روڈ چوہنگ لاہور
(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 79-35473375 (042)

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

- **عرضِ احوال** — 5
  - ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا! — ایوب بیگ مرزا
- **تذکرہ و تبصرہ** — 9
  - ملتزم رفقاء کے نام بانی تنظیم کا پیغام — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- **بیانُ القُرآن** — 13
  - سورۃُ محمدؐ (آیات ۱۶ تا ۳۸) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- **دعوت و تحریک** — 29
  - تحریکِ اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ: ''یا چناں کن یا چنیں!'' — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- **فرائضِ دینی** — 44
  - اقامتِ دین: اُمّتِ مسلمہ کا فریضہ — حق نواز اصلاحی
- **تفہیمِ دین** — 53
  - مرزا غلام احمد قادیانی اور تحریکِ احمدیت — محمد سفیر الاسلام
- **جادہ و منزل** — 59
  - نصب العین کی صورت گری میں ترجیحات کا عنصر — راحیل گوہر
- **المَلحَمۃُ العُظمٰی** — 69
  - آرمیگاڈون — رضی الدین سیّد
- **آزادئ نسواں** — 73
  - لڑکیوں کی بغاوت: اَسباب وعلاج (۵) — ابوکلیم مقصود الحسن فیضی
- **انوارِ ہدایت** — 87
  - نیکیوں کی دیمک —— ریا — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا!

’’جس دعوتِ اسلامی اور جہاد فی سبیل اللہ کا علَم سیّد احمد شہید بریلویؒ اور شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے انیسویں صدی کے دوسرے ربع کے اوائل میں بلند کیا تھا اور جس کی خاطر شہیدین نے بالاکوٹ کے ویرانے کو اپنے اور اپنے رفقائے قدسی کے مقدّس خون سے لالہ زار کیا تھا۔ جس اعلائے کلمۃ اللہ کی دعوت پر مجتمع ہونے کی پکار ۱۹۱۲ء میں ’’الہلال‘‘ اور ’’البلاغ‘‘ کے ذریعہ مولانا ابوالکلام آزادؒ مرحوم نے بلند کی تھی۔ جس دعوت کی صدا ایک ربع صدی سے بھی زیادہ تک ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم نے اپنی اسلامی شاعری کے ذریعہ اُمّتِ مرحومہ کو سنائی تھی اور مسلمِ خوابیدہ کو غفلت سے بیدار کرنے کے لیے حُدی خوانی کی اور بانگِ درا دی تھی۔ جس شہادت علی النّاس اور اقامتِ دین کی دعوت پر صاحب ’’ترجمان القرآن‘‘ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے ۱۹۴۱ء میں اللہ کے چند مخلص بندوں پر مشتمل ایک قافلہ ترتیب دیا تھا.....‘‘

یہ اقتباس تنظیم اسلامی کے تاسیسی اجتماع ۲۷۔۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء میں بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی طویل تقریر کا ابتدائیہ ہے جو انہوں نے تنظیم اسلامی کے قیام کے وقت تاسیسی اراکین کے سامنے کی تھی۔ ہماری رائے میں اِن چند سطور سے تنظیم کے قیام کا مقصد اور فکری سلسلۂ نسب پڑھنے والے پر واضح ہو جاتا ہے۔ بانیٔ تنظیم فرمایا کرتے تھے کہ مسلک کی بنیاد پر جماعت بنانا یا صوبائی تعصّب کو جماعت سازی کی بنیاد بنانا یا لسانی بنیادوں پر کوئی منظّم گروہ قائم کر لینا کوئی مشکل کام نہیں‘ متعلقین کچے دھاگے سے بندھے چلے آتے ہیں۔ یہ ایک قابلِ فہم حقیقت ہے کہ ان سب تعصّبات سے بالاتر ہو کر خالصتاً دین کے قیام کی جِدّوجُہد کرنے کے لیے ایک تنظیم بنانا‘ جس میں نقد کچھ نہ ہونے کے برابر ہو اور سب ادھار ہو‘ دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ہے۔ تنظیم کے قیام کے اِس اعلان کے بعد ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور نے اِس پودے کی کاشت‘ نگہداشت‘ حفاظت اور اِس کی بڑھوتری کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اور

یہ کہنا یقیناً مبالغہ نہیں ہے کہ اِس پودے کو تناور درخت بنانے کے لیے انہوں نے اپنا خون پسینہ ہی نہیں اپنی ہڈیاں بھی گلا کر اِس کی بنیادوں میں ڈال دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پہلے چند سو یا چند ہزار لوگوں کو جمع کرنا‘ اُنہیں منظّم کرنا‘ اُنہیں ایک لڑی میں پرو لینا ایک انتہائی مشکل کام تھا۔ یہ ایک عظیم کارنامہ تھا جو بانیٔ تنظیم نے سرانجام دیا۔ پھر یہ کہ رفقاءِ تنظیم کو گھول گھول کر یہ سبق پلا دیا کہ ہمارا اصل ہدف اللہ کی رضا حاصل کرنا اور اپنی اُخروی نجات ہے۔ اِس ہدف کے حصول کے لیے ہمیں پہلے پاکستان میں اور پھر دنیا بھر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دیے ہوئے نظام یعنی ایسا نظام جس کا ماخذ قرآن و سُنّت اور سیرتِ رسول ﷺ ہو‘ اُسے قائم کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کا انسانی معاشرہ فٹ بال بنا ہوا ہے‘ کبھی کسی باطل نظام کی ٹھوکر اُسے ایک انتہا کی طرف لے جاتی ہے اور کبھی کسی دوسرے نظامِ باطل کی ٹھوکر اُسے دوسری انتہا تک پہنچا دیتی ہے۔ کبھی عورت کمتر انسانیت کی حامل اور پاؤں کی جوتی اور ’’man‘‘ کی ’’wo‘‘ اور کبھی مرد کے کندھوں پر ہی نہیں اس کے سر پر بھی سوار اور اُس کی رہبر اور رہنما کی صورت میں نظر آتی ہے۔ علاوہ ازیں کبھی بدترین استحصالی سرمایہ دارانہ نظام اور کبھی انسان دشمن اشتراکیت کا ایسا نظام جس میں ذات اور انفرادیت کی بھی نفی ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے عادلانہ نظام سے اِیسی جہنّم زار دنیا کو جنّت نظیر بنایا جا سکتا ہے اور انسان کی کوئی خدمت اِس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ اُس کو جہنم کی آگ سے بچا لیا جائے۔ جس فکری نسب سے ڈاکٹر صاحبؒ کا تعلق تھا اُس کے علَم پر یہی کچھ لکھا ہوا تھا۔ البتہ اس نظام کو پاکستان میں قائم کرنے کا طریقہ کیا ہوگا‘ یہ مبہم چلا آ رہا تھا‘ کوئی واضح پلان کوئی منہج سامنے نہیں لایا گیا تھا۔

ڈاکٹر صاحبؒ نے منہجِ انقلاب کے مراحل بیان کر کے واضح راستے کی نشاندہی کر دی۔ آپ نے فیصلہ کن انداز میں موقف اختیار کیا کہ آخری مرحلے تک پہنچنے کے لیے منہجِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی کو اپنانا ہوگا۔ البتہ تقریباً ساڑھے چودہ سو سال میں تاریخ نے جو موڑ مڑے ہیں اور جو سیاسی ارتقاء ہوا ہے اور مقتدر قوتوں اور عوام میں طاقت کا توازن جس طرح ریاستی اداروں کے حق میں ہوا ہے‘ ضرورت اس امر کی ہے کہ انقلاب کے آخری مراحل میں انہیں مدِّنظر رکھتے ہوئے‘ انقلابیوں کو عصرِ حاضر میں تبدیلی کے جو لوازمات اور انداز سامنے آئے ہیں اُن سے مستفید ہونا ہوگا۔

مسلمانانِ پاکستان‘ خصوصاً رفقاء پر سب کچھ واضح کر دینے کے بعد اسلامی نظام کوئی یوٹو پیا نہیں ہے‘ ایک قابلِ عمل نظریہ ہے اور یوں اُس کا نفاذ ممکن ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ ۲۰۰۳ء میں تنظیم کی امارت سے سبکدوش ہو گئے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ تنظیم کے قیام کے بعد انہیں یہ کام اِس نہج تک پہنچانے میں ۲۷ سال لگے۔ اب اُن کی عمر ستّر (۷۰) سال ہو چکی تھی۔ اُن کی سبکدوشی کے بعد تنظیم کی امارت اُن کے بیٹے حافظ عاکف سعید صاحب کو منتقل ہو گئی۔ اور ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے اچانک اپنے بیٹے کو امارت منتقل کر دی‘ بلکہ سبکدوشی سے چند سال پہلے ہی تنظیم میں آل پاکستان سطح پر طویل مشاورتی اجلاس ہوئے‘ جن کے نتیجہ میں حافظ عاکف سعید صاحب کو امیر تنظیم کا جانشین مقرر کیا گیا تھا۔ یہ بارگراں اب حافظ عاکف سعید صاحب کے کندھوں پر تھا۔ اب انہیں اِس مشکل کام کو لے کر آگے بڑھنا تھا اور اُن کا اصل کام اس تنظیم کو مستحکم کرنا تھا‘ اس میں نیا خون شامل کرنا تھا۔ خدا شاہد ہے حافظ عاکف سعید صاحب نے اپنی اہلیت اور استعداد کو پوری طرح بروئے کار لا کر اس کام کا حق ادا کیا۔ اپنے فرض کی انجام دہی کے لیے اتنی بھاگ دوڑ اور محنت شاقہ کی کہ محترم ڈاکٹر صاحبؒ کہہ اُٹھے:

’’جس طرح تنظیمی دورے کر کے سارے پاکستان کے رفقاء سے عزیزم عاکف سعید رابطے کرتا ہے مَیں تو اپنے دورِ امارت میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا‘‘۔ سچی بات یہ ہے کہ امیر کی خوئے دل نوازی کا جو مظاہرہ رفقاء نے حافظ عاکف سعید صاحب کے دَور میں دیکھا یہ دوسری جماعتوں کے کارکنوں کو کم ہی نصیب ہوا ہوگا۔ دنیوی لذّتوں سے اجتناب کرنے والے اس شریف النفس انسان کے کردار کا رفقاء تنظیم کے دل و دماغ پر گہرا اثر مرتب ہوا۔

بہرحال ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ اُن کی صحت خراب ہوئی‘ جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اُن کا حافظہ اور یادداشت بُری طرح متاثر ہوئی۔ انہوں نے ساری صورتِ حال تنظیم اسلامی کی مرکزی عاملہ کے سامنے پہلے زبانی طور پر رکھی۔ مرکزی عاملہ نے wait and see کا مشورہ دیا۔ لیکن ایسے اعلیٰ کردار اور ظرف کا حامل انسان اپنی ذات کی خاطر دین اور تنظیم کا نقصان کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ ۱۴ جولائی ۲۰۲۰ء کو انہوں نے تحریری طور پر مرکزی عاملہ کو امارت سے اپنی دستبرداری سے آگاہ کر دیا اور جلد مرکزی شوریٰ کا اجلاس بلا کر نئے امیر کے تقرر کا کہا۔ تنظیم اسلامی کے دستور کی دفعہ ۲ (الف) کے مطابق اگر وہ چاہتے تو

اپنے طور پر کسی بھی رفیق کو امیر نامزد کر سکتے تھے‘ لیکن انہوں نے اپنا یہ اختیار استعمال نہ کیا اور معاملہ مرکزی شوریٰ کے سپرد کر دیا۔

مرکزی شوریٰ کا خصوصی اجلاس ۸ / اگست ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ تنظیم اسلامی کے مرکز دارالاسلام لاہور میں منعقد ہوا۔ مرکزی شوریٰ کے کُل ۸۸ ارکان میں سے ۸۲ حاضر تھے۔ استصواب رائے کے پہلے ہی مرحلہ میں محترم شجاع الدین شیخ کو واضح اکثریت حاصل ہوئی۔ محترم حافظ عاکف سعید صاحب نے اُن کے امیر ہونے کا اعلان کر دیا اور شجاع الدین شیخ صاحب کو مبارک باد دی۔ تنظیم اسلامی کے دستور کے مطابق صرف وہ رفقاء تنظیم میں رہ جاتے ہیں جو نئے امیر سے بیعت کر لیں۔ موجود ارکانِ شوریٰ میں سے ایک صاحب کے سوا سب نے نئے امیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ سابق امیر حافظ عاکف سعید صاحب نے بھی نئے امیر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ غیر حاضر ارکانِ شوریٰ کو سات یوم کی مہلت دی گئی تاکہ وہ بیعت کر سکیں۔ ذمہ داران ایک ماہ میں‘ ملتزم رفقاء دو ماہ میں جبکہ مبتدی رفقاء اور خواتین تین ماہ کے اندر بیعت کریں گی۔ بروقت بیعت کرنے والوں کا تنظیم میں موجودہ سٹیٹس قائم رہے گا۔ امیر محترم جناب شجاع الدین شیخ صاحب نے تنظیم کے موجودہ نظم کو برقرار رہنے کا اعلان کیا۔ محترم حافظ عاکف سعید امیر تنظیم کے مشیر خصوصی ہوں گے۔

شجاع الدین شیخ بائیس (۲۲) سال سے تنظیم سے منسلک ہیں۔ وہ ایک پُرجوش خطیب‘ مؤثر مدرس ہیں اور فی البدیہہ گفتگو میں مہارت رکھتے ہیں۔ مختلف اوقات میں تنظیم کے تقریباً تمام مناصب پر فائز رہ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اُن کی مدد فرمائے۔ اللہ ربّ العزت نے شجاع الدین شیخ صاحب کو بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ہمیں یقین واثق ہے کہ اُن کے دورِ امارت میں تنظیم بڑھے گی‘ پھلے پھولے گی اور دین متین کے پاکستان میں نفاذ کے لیے کئی سنگ ہائے میل طے کرے گی۔ لیکن یہ سب کچھ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم اور اُس کی نصرت شامل حال نہ ہو۔ ہم سب اُس کی رحمت اور فضل کے محتاج ہیں اور جتنی بڑی کسی پر ذمہ داری ہے وہ اُتنا زیادہ اللہ کی رحمت اور فضل کا محتاج ہے۔ آخر میں ہم امیر تنظیم اسلامی کی خدمت میں عرض کریں گے کہ اب آپ کے ہاتھوں میں شہیدین کا بلند کردہ علَم ہے‘ الہلال اور البلاغ کی پکار آپ کے تعاقب میں رہے گی۔ (باقی صفحہ 68 پر)

تنظیم اسلامی کے سہ روزہ دعوتی وتربیتی اجتماع برائے ملتزم رفقاء

کے نام **بانی تنظیم** کا پیغام

ازقلم: ڈاکٹر اسرار احمد

(شائع شدہ: میثاق جنوری ۲۰۰۴ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفقائے تنظیم اسلامی کے نام یہ پیغام یا ''وصیت'' میں اس وقت تحریر کر رہا ہوں جب میری حیاتِ مستعار قمری حساب سے چوہتر (۷۴) برس کے لگ بھگ ہو رہی ہے ـــــ اور کاروانِ حیات ''شامِ زندگی'' سے گزر کر ''شبِ زندگی'' کی حدود میں داخل ہو چکا ہے ـــــ اور مجھے تنظیم کی امارت سے مستعفی ہوئے بھی سوا سال ہونے کو آیا ہے۔ گویا رفقائے تنظیم کی درجہ بندی کے اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں ایک ''منتہی رفیق'' ہوں ـــــ (اس نئی اصطلاح کو ''ایجادِ بندہ'' کے زمرے میں شمار کر لیا جائے!)

یہ بات معلوم و معروف ہے کہ میری پوری زندگی ''تحریک'' سے عبارت رہی ہے۔ تیرہ سے پندرہ سال کی عمر تک تحریکِ پاکستان کے ساتھ' مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکن کی حیثیت میں' ـــــ پندرہ سال کی عمر سے پچیس سال کی عمر تک تحریکِ جماعتِ اسلامی کے ساتھ نہایت بھرپور انداز میں۔ اس کے بعد تقریباً آٹھ سال کسی نئے کارواں کی تلاش کی تگ و دو اور ایاب و ذہاب میں ـــــ اور ۱۹۶۵ء سے آج تک خود اپنی جاری کردہ تحریک کے بانی' مؤسس' امیر' اور اب منتہی رفیق کی حیثیت میں!

مَیں نے' بحمدِ اللہ' اپنی اس تحریک کو ''خانہ زاد'' کبھی قرار نہیں دیا ـــــ بلکہ صراحتاً کہا ہے کہ اسلام کے انقلابی فکر کے مجدد علّامہ اقبال تھے' اس پر تعمیل کی پہلی کوشش مولانا ابوالکلام آزاد کی حزب اللہ تھی' دوسری مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی جماعت اسلامی' اور تیسری ہماری یہ تحریک جس کی جڑ انجمن ہائے خدّامُ القرآن اور قرآن اکیڈمیز کے سلسلے پر مشتمل دعوت رجوع الی

القرآن ہے' جس کا تنا اقامتِ دین کی جِدّوجُہد کے لیے بیعت سمع و طاعت فی المعروف کی اساس پر مبنی تنظیم اسلامی ہے' ـــــ اور جس کے برگ و بار جو ابھی نمایاں نہیں ہیں' تحریکِ خلافت سے عبارت ہیں!

اس تحریک کی بنیادی دعوت جو اوّلاً علّامہ اقبال کے ولولہ انگیز اشعار میں مضمر تھی' جسے پھر مولانا مودودی نے سلیس اور عام فہم نثر میں منظّم اور مدوّن کیا ـــــ اور جس میں بعد میں مولانا امین احسن اصلاحی نے قرآنی رنگ بھرا ـــــ الحمدللہ کہ مَیں نے توفیق الٰہی سے اس کی جڑوں کو قرآن حکیم کی گہرائیوں تک اتار دیا' جس کے ضمن میں مَیں نے اسلام کے ''مذہب'' سے بلند تر تصوّر یعنی ''دین'' کی وضاحت اور ''فرائضِ دینی'' کے جامع اور انقلابی تصوّر کو مبرہن کرنے کے لیے مطالعہ قرآن حکیم کا ایک منتخب نصاب مرتّب کیا' جس کے ۱۹۶۵ء سے ۱۹۸۰ء تک کے پندرہ سالوں کے دوران اتنی مرتبہ' کبھی مفصّل اور کبھی مختصر' اور کبھی ہفتہ وار اجتماع میں' اور کبھی دس روزہ یا ایک ماہی تربیت گاہوں میں درس دیے ـــــ کہ ایک صحافی نے مجھے قرآن کے ''قوال'' کا خطاب دے دیا' جسے میں نے ایک ''سند'' سمجھ کر شکریے کے ساتھ قبول کر لیا۔ اور خود مَیں نے اپنی اس کیفیت کو اس شعر سے تعبیر کیا کہ ''ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم۔ الّا حدیثِ دوست کہ تکرار می کنیم!'' ـــــ!

ان دروسِ قرآن کے سننے اور سراہنے والوں کی کبھی کمی نہیں رہی' بلکہ والہانہ ذوق و شوق اور مستقل مزاجی اور پابندیٔ وقت کے ساتھ شرکت کرنے والوں کی حاضری اور کامل سکوت اور ہمہ تن توجّہ کے ساتھ استماع کے اعتبار سے ان دروسِ قرآن نے ریکارڈ قائم کیے ـــــ اور ان کا شہرہ دُور و نزدیک پھیلتا چلا گیا ـــــ اور اس طرح چودھویں صدی کے مجدّدِ اعظم حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۹۲۰ء میں ''عوامی درسِ قرآن'' کی جس ضرورت کا ذکر کیا تھا اس کا جیتا جاگتا نمونہ لوگوں کے سامنے آ گیا ـــــ لیکن ان دروس کے اصل ہدف کو اختیار کر کے تنظیم میں شامل ہونے والوں کی تعداد بہت کم رہی۔ (جس کے اسباب پر بحث کا یہ موقع نہیں ہے!) تاہم بحمدِ اللہ تنظیم کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا' ـــــ سینکڑوں نہایت مخلص اور committed رفقاء دستیاب ہوئے۔ ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک خاصی بڑی ٹیم تیار ہو گئی جنہوں نے ''منتخب نصاب'' کے درس کی ذمّہ داری خود سنبھال کر مجھے اس سے سبکدوش کر دیا۔ مزید برآں سُنّتِ بیعت کے اِحیاء کی

سعادت نصیب ہوئی اور بیعت کی اساس پر ایک متحرک جماعت کا نظم قائم کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی جس میں ﴿اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَهُمۡ﴾ کی روح بھی بتمام و کمال موجود ہو' اور اختلاف اور تنقید کی اجازت کے ساتھ ساتھ اس کا طریق بھی متعیّن ہو!

گویا دروسِ قرآن کے شرکاء کی اکثریت کے اعتبار سے تو مَیں بھی حضرت علّامہ ہی کی طرح یہ فریاد کر سکتا ہوں کہ ؎

بآں رازے کہ گفتم ' پے نبردند — زِ شاخِ نخلِ من خرما نخوردند
مَن اَے میرِ اُمم داد از تو خواہم — مرا یاراں غزل خوانے شمردند

لیکن تنظیم کے رفقاء کو مَیں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھا ــــ اور ﴿وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِیِّ﴾ کے مصداق ان کی رفاقت کو غنیمت جانا۔

بہر حال مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے درس سے فراغت کے بعد ۱۹۸۰ء کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دو بڑی نعمتیں نازل فرمائیں! ایک صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم کے جاری کردہ سیرت النبی ﷺ کے جلسوں میں کثرت اور شدّت کے ساتھ تقریر و خطاب ــــ جن سے میری توجّہ ''منہجِ انقلابِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام'' کی جانب منعطف ہوئی اور بحمد اللہ اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب منصۂ شہود پر آ گئی ــــ اور دوسرے ماہِ رمضان مبارک میں نمازِ تراویح کے ساتھ ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کا سلسلہ' جس کا بعض ناقدوں اور حاسدوں نے مذاق بھی اڑایا' لیکن الحمد للہ کہ گزشتہ اٹھارہ سالوں کے دوران اس کا چرچا بھی بڑھتا چلا گیا۔ اور اِس وقت تو ARY Digital کے بالخصوص Q.Tv. چینل کے علاوہ بھارت میں IRF کے ذریعے اور بعض دوسرے شہروں میں لوکل چینلز (جیسے لاہور میں ''الاسلام'') کے ذریعے اس کا ڈنکہ عالمی سطح پر بج رہا ہے!

الغرض یہ ہے میرا حاصلِ حیات ــــ اور میری واحد وراثت جو اَب اگلی نسل کو منتقل ہو چکی ہے ــــ اور جس کے ضمن میں کہہ سکتا ہوں کہ ؎

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر — اسی سے فقیری میں ہوں مَیں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اِسے — لٹا دے ٹھکانے لگا دے اِسے!

اس مرحلے پر الحمد للہ کہ مجھے اس امر پر تو کامل اطمینان ہے کہ میری یہ تحریک جوں کی توں

اور بغیر کسی بڑے انتشار کے گویا "one piece" اگلی نسل کو منتقل ہو گئی ہے' تاہم ایک احساس ہے کہ بعض رفقاء پر ''بے ذوقی'' تو نہیں ''کم کوشی'' کا غلبہ ضرور ہو رہا ہے اور وہ تحریک و تنظیم کی مصروفیات کو ایک خاص سطح پر cap کر چکے ہیں' چنانچہ ایک routine کی سی کیفیت جڑ پکڑ رہی ہے ــــ لہٰذا اس وقت تنظیم اسلامی کو ایک نئے عزم' نئے ولولے' اور نئے جوش کی ضرورت ہے۔ ــــ اس کے ضمن میں میری ''وصیت'' یہ ہے کہ تنظیم کے رفقاء ''مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب'' پر از سرِنو توجّہ دیں ــــ اور اس کے ضمن میں مَیں نے زیادہ مفصل اور قدرے علمی گہرائی کے ساتھ جو درس ۹۳۔۱۹۹۲ء میں دیا تھا' اس پر توجّہ مرکوز کریں ــــ اس درس کے دوران رفیق مکرم چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے بجا طور پر کہا تھا کہ ''ان دروس میں علمیت زیادہ اور تاثیر کم ہے!'' ــــ دعوتی اور خطابی انداز میں تو یقیناً میرا ۴۴ گھنٹوں کے آڈیو کیسٹوں میں محفوظ درس ہی زیادہ مؤثر ہے ــــ جو ہمارے بہت سے رفقاء کو بحمد اللہ ازبر یاد ہے' لیکن اس نصاب کے ضمن میں قدرے زیادہ علمی گہرائی میں رفقاء کے ''یقین'' اور ''بصیرت'' کی گہرائی اور گیرائی میں اضافے کا موجب ہو گا ــــ اور چونکہ لاہور اور کراچی کے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس میں شرکت کرنے والے رفقاء کا عربی گرامر سے کچھ نہ کچھ شغف پیدا ہو گیا ہے لہٰذا انہیں تو اس کے سلسلے میں قطعاً کوئی دِقّت پیش نہیں آئے گی! مجھے امیدِ واثق ہے کہ اس کے ذریعے کارکنوں میں ایک نیا جوشِ عمل پیدا ہو جائے گا۔ واللہ اعلم!

خاکسار **اسرار احمد** عفی عنہ

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ :
بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ وَعَلٰی اَثَرَةٍ عَلَیْنَا وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ فِیْهِ بُرْهَانٌ وَعَلٰی اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَیْنَمَا کُنَّا ' لَا نَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَةَ لَائِمٍ
(رواہ البخاری و مسلم)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ مُحَمَّد

آیات ۱۶ تا ۱۹

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُ اِلَيۡكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ ﴿۱۶﴾ وَ الَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًى وَّ اٰتٰىهُمۡ تَقۡوٰىهُمۡ ﴿۱۷﴾ فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً ۚ فَقَدۡ جَآءَ اَشۡرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمۡ اِذَا جَآءَتۡهُمۡ ذِكۡرٰىهُمۡ ﴿۱۸﴾ فَاعۡلَمۡ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مُتَقَلَّبَكُمۡ وَمَثۡوٰىكُمۡ ﴿۱۹﴾ ع

اب یہاں سے اس سورت کا اصل مضمون شروع ہو رہا ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی بتایا جا چکا ہے کہ اس سورت کا مرکزی مضمون ''قتال فی سبیل اللہ'' ہے اور اسی نسبت سے اس کا دوسرا نام ''سورۃ القتال'' ہے۔ اس مضمون کے تحت آئندہ آیات میں ان لوگوں کی باطنی کیفیات کی جھلکیاں بھی نظر آئیں گی جن کے دلوں میں روگ تھا اور قتال کے ذکر سے ان پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی تھی۔

آیت ۱۶ ﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُ اِلَيۡكَ ۚ﴾ ''اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو آپ کی بات کو بڑی توجہ سے سنتے ہیں۔''

﴿حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ؕ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر باہر جاتے ہیں تو ان لوگوں سے پوچھتے

ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے کہ ابھی انہوں (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کیا کہا تھا؟''

یعنی آج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جو ایک نئی بات کہہ دی ہے کہ ہمیں جنگ کے لیے تیار ہونا ہے اور قریش کے تجارتی قافلوں کا تعاقب کرنا ہے' یہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ سے یہاں اہلِ ایمان بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اہلِ کتاب یہودی بھی۔ یعنی منافقین یہ بات ان مسلمانوں سے پوچھتے جنہیں وہ زیادہ سمجھدار سمجھتے تھے یا یہ کہ یہی بات وہ لوگ یہودیوں سے جا کر پوچھتے جنہیں اس سے پہلے کتاب کا علم دیا گیا تھا۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ ﴿۱۶﴾﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔''

جہاد و قتال کے تصور سے ان کے دلوں کی گھبراہٹ اور ایثار و قربانی کی باتوں کو قبول کرنے سے ان کی ہچکچاہٹ درحقیقت اس منافقت کی علامت ہے جو ان کے دلوں میں پیدا ہو چکی ہے۔

آیت ۱۷ ﴿وَالَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًى وَّاٰتٰىهُمۡ تَقۡوٰىهُمۡ ﴿۱۷﴾﴾ ''اور وہ لوگ جو ہدایت پر ہیں اللہ نے ان کی ہدایت میں اور اضافہ کر دیا ہے اور انہیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا فرمایا ہے۔''

جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریک مرحلۂ قتال میں داخل ہوئی ہے اہلِ ایمان کے جوشِ ایمانی' ذوقِ شہادت اور تقویٰ میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

آیت ۱۸ ﴿فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً ۚ فَقَدۡ جَآءَ اَشۡرَاطُهَا ۚ﴾ ''تو یہ لوگ اب کس چیز کے منتظر ہیں سوائے قیامت کے کہ وہ آ دھمکے ان پر اچانک؟ پس اس کی علامات تو ظاہر ہو ہی چکی ہیں۔''

قیامت کی سب سے بڑی نشانی تو خود محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہے کہ آپؐ آخری رسول ہیں۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کو آپس میں ملا کر فرمایا: ((بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ))[۲] ''میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی مانند (جڑے ہوئے) بھیجے گئے ہیں''۔ ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں تو آپؐ کے بعد اب قیامت ہی کو آنا ہے۔ حضرت

۲۔ صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب قول النبی ﷺ بعثت انا والساعة کھاتین۔ وصحیح مسلم' کتاب الفتن وأشراط الساعة' باب قرب الساعة۔

ابوامامہ باہلی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اَنَا آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ آخِرُ الْاُمَمِ))[۳] ”میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت ہو۔“

﴿فَاَنّٰی لَھُمْ اِذَا جَآءَتْھُمْ ذِکْرٰىھُمْ ۱۸﴾ ”تو جب وہ ان پر آ دھمکے گی تو اُس وقت ان کا نصیحت حاصل کرنا کس کام کا ہوگا؟“

آیت ۱۹ ﴿فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ﴾ ”بس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی خطاؤں کے لیے (اللہ سے) استغفار کرو“

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ کی ایک تاویل تو یہ ہے کہ یہ خطاب اگرچہ صیغہ واحد میں نبی اکرم ﷺ سے ہے لیکن حقیقت میں آپؐ کی وساطت سے یہ ہدایت آپؐ کی اُمت کے لیے ہے۔ البتہ بعض علماء نے اس اسلوب کی وضاحت حضور ﷺ کے ”تعلق مع اللہ“ کے حوالے سے بھی کی ہے۔ اگر کسی عام بندۂ مؤمن کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت سے چند لمحات کے لیے تعلق مع اللہ میں انشراح کی کیفیت نصیب ہو جائے تو اس کے لیے یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن حضور ﷺ کے لیے تو ظاہر ہے ہر وقت ہی انشراح کی کیفیت رہتی تھی اور اس کیفیت کی شدت (intensity) میں کسی ایک لمحے کے لیے ذرا سی بھی کمی کو آپؐ بہت بڑی کوتاہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ یہاں لفظ ”ذنب“ کے حوالے سے آپؐ کے اسی احساس کی طرف اشارہ ہے۔ گویا یہ ”حَسَنَاتُ الْاَبْرَار سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِین“ والا معاملہ ہے۔ یعنی بعض اوقات ایک عام مسلمان کے معیار کی نیکی کسی مقرب بارگاہ کے معیارِ عمل کے سامنے کوتاہی یا گناہ کے درجے میں شمار ہوتی ہے۔ بہرحال نہ تو مقرّبین بارگاہ کے تعلق مع اللہ کا معاملہ عام مسلمانوں کا سا ہے اور نہ ہی ان کے معاملے میں لفظ ”ذنب“ کی تعریف (definition) کا وہ مفہوم درست ہے جس سے عام طور پر ہم لوگ واقف ہیں۔

اس معاملے میں میری ایک ذاتی رائے بھی ہے جس کا ذکر اگلی سورت یعنی سورۃ الفتح کی آیت ۲ کے ضمن میں بھی آئے گا۔ میری رائے میں یہاں پر لفظ ”ذنب“ کا تعلق اس ”اجتماعیت“ سے ہے جس کے سربراہ حضور ﷺ تھے۔ پچھلے کئی برسوں سے حضور ﷺ اپنے اہلِ ایمان ساتھیوں کے ساتھ غلبۂ دین کے لیے جدّوجُہد میں مصروف تھے۔ ظاہر ہے اس اجتماعی جدّوجُہد میں شریک افراد سے کہیں کوئی غلطی بھی سرزد ہو جاتی ہوگی اور کسی معاملے میں کبھی کوئی کوتاہی بھی رہ

۳۔ سنن ابن ماجہ‘ کتاب الفتن‘ باب فتنۃ الدجال و خروج عیسی ابن مریم...

جاتی ہوگی۔ اگرچہ ایسی غلطیاں اور کوتاہیاں دوسروں سے ہوتی ہوں گی مگر تحریک اور جدّوجُہد کے قائد چونکہ حضور ﷺ تھے اس لیے ان کا ذکر یہاں آپ ﷺ کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ جیسے جنگ میں پوری فوج حصہ لیتی ہے‘ ایک ایک سپاہی لڑتا ہے لیکن فتح کا سہرا سپہ سالار کے سر بندھتا ہے‘ اسی طرح اگر کسی فوج کو شکست سے دوچار ہونا پڑے تو بھی اس فوج کے کمانڈر ہی کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔

﴿وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ﴾ ”اور اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے بھی (استغفار کریں)۔“

﴿وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَکُمْ وَمَثْوٰىکُمْ ۱۹﴾ ”اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے لوٹنے کی جگہ کو اور تمہارے مستقل ٹھکانے کو۔“

آیات ۲۰ تا ۲۸

وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَۃٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ
مُّحْکَمَۃٌ وَّ ذُکِرَ فِیْھَا الْقِتَالُ ۙ رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ
یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْہِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰی لَھُمْ ۲۰ ۚ
طَاعَۃٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۟ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۟ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰہَ
لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ ۲۱ ۚ فَھَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی
الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَکُمْ ۲۲ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ
فَاَصَمَّھُمْ وَ اَعْمٰٓی اَبْصَارَھُمْ ۲۳ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی
قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا ۲۴ اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ مِّنْۢ بَعْدِ
مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْھُدَی ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَھُمْ ؕ وَ اَمْلٰی لَھُمْ ۲۵ ذٰلِکَ
بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ کَرِھُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ سَنُطِیْعُکُمْ فِیْ بَعْضِ
الْاَمْرِ ۚۖ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ اِسْرَارَھُمْ ۲۶ فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ
یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَ اَدْبَارَھُمْ ۲۷ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اتَّبَعُوْا مَآ
اَسْخَطَ اللّٰہَ وَ کَرِھُوْا رِضْوَانَہٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ ۲۸ ع

آیت ۲۰ ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۭ﴾ ''اور یہ لوگ جو ایمان کے دعویدار ہیں' کہتے ہیں کہ (قتال کے بارے میں) کوئی سورت کیوں نازل نہیں ہوئی؟''

زیر مطالعہ مضمون کے حوالے سے اس سورت کی یہ آیت خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ہجرت کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے باہر قریشِ مکّہ کے خلاف مہمات بھیجنا شروع کر دیں۔ غزوۂ بدر سے پہلے ایسی آٹھ مہمات کا بھیجا جانا تاریخ سے ثابت ہے۔ ان میں سے چار مہمات کا شمار تو غزوات میں ہوتا ہے کہ ان میں حضور ﷺ خود بھی تشریف لے گئے تھے۔ ان مہمات کے ذریعے سے آپؐ نے خصوصی طور پر مندرجہ ذیل دو مقاصد حاصل کیے:

(الف): مکہ کی تجارتی شاہراہ سے ملحقہ علاقوں میں مسلّح دستوں کی نقل و حرکت سے قریشِ مکّہ کو آپؐ نے ایک مؤثر پیغام پہنچا دیا کہ تمہاری شہ رگ (life line) اب ہر طرح سے ہمارے قبضہ میں ہے اور ہم جب چاہیں تمہاری مکمل معاشی ناکہ بندی کر سکتے ہیں۔

(ب): جن علاقوں میں آپؐ نے مہمات بھیجیں یا آپؐ خود تشریف لے گئے وہاں کے اکثر قبائل کو آپؐ نے اپنا حلیف بنا لیا' اور جو قبائل آپؐ کے حلیف نہ بھی بنے انہوں نے قریشِ مکّہ اور مسلمانوں کے تنازعہ میں غیر جانبدار رہنے کے معاہدے کر لیے۔ یوں اس پورے علاقے سے قریشِ مکّہ کا اثر و رسوخ روز بروز کم ہونا شروع ہو گیا اور انہیں جزیرہ نمائے عرب میں صدیوں سے قائم اپنی سیاسی اجارہ داری کی بساط لپٹتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

اس حوالے سے یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ حضور ﷺ کی طرف سے مذکورہ مہمات کی منصوبہ بندی ابتدائی اقدام (initiative) کی نئی حکمت عملی کے تحت کی جا رہی تھی۔ قریش مکہ کی طرف سے آپؐ کے قیامِ مکہ کے دور کی زیادتیاں اپنی جگہ' لیکن ہجرت کے بعد سے اب تک انہوں نے کوئی بھی جارحانہ اقدام نہیں کیا تھا۔ اُس وقت تک جارحانہ اقدام سے متعلق قرآن میں بھی کوئی واضح ہدایت نہیں آئی تھی۔ سورۃ الحج کی آیت ۳۹ میں جو حکم تھا وہ اذن اور اجازت کے درجے میں تھا' اس حکم میں بھی جارحانہ اقدام کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ بلکہ ایک رائے کے مطابق تو اُس وقت تک یہ حکم نازل بھی نہیں ہوا تھا' کیونکہ سورۃ الحج کو بعض لوگ مدنی سورت مانتے ہیں' اور اگر یہ رائے درست ہو تو پھر یہ بھی امکان ہے کہ سورۃ الحج اس دور کے بعد نازل ہوئی ہو۔ دوسری طرف سورۃ البقرۃ اس وقت تک مکمل نازل ہو چکی تھی اور اس میں قتال کے بارے میں احکام بھی موجود

ہیں' مگر وہ احکام زیادہ سے زیادہ اس نوعیت کے ہیں: ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ﴾ (البقرۃ: ۱۹۰) کہ جو لوگ آپ سے لڑتے ہیں آپ لوگ ان کے خلاف لڑو!

اس پس منظر میں منافقین کی طرف سے حضور ﷺ کے مذکورہ اقدامات کے خلاف ''لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ'' کے اعتراض کا مفہوم بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ ان کا موقف تھا کہ جب قریش کی طرف سے کوئی حریفانہ اقدام نہیں ہو رہا تو ہماری طرف سے ان کی تجارتی شاہراہ پر چھاپے مار کر اور ان کے قافلوں کا تعاقب کر کے خواہ مخواہ جنگی ماحول پیدا کرنے کا کوئی جواز نہیں' اور اگر یہ اقدامات ایسے ہی ضروری تھے تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کوئی واضح حکم کیوں نازل نہیں کیا؟ اور اگر قرآن میں ایسا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ خود اپنی مرضی سے یہ مہم جوئی کر رہے ہیں۔

﴿فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ﴾ ''پھر جب ایک محکم سورت نازل کر دی گئی اور اس میں قتال کا حکم آ گیا''

اس سے مراد زیر مطالعہ سورت یعنی سورۂ محمد (ﷺ) ہے اور اس سورت کا دوسرا نام ''سورۃ القتال'' اسی آیت سے ماخوذ ہے۔

﴿رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ﴾ ''تو اب آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے کہ یہ لوگ آپؐ کی طرف ایسے دیکھیں گے جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہوتی ہے۔''

﴿فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝۲۰﴾ ''تو بربادی ہے ان کے لیے!''

دراصل یہ لوگ قتال سے جی چراتے ہیں۔ قبل ازیں اپنے بچاؤ کے لیے ان کی دلیل یہ تھی کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی واضح حکم نازل نہیں ہوا۔ اب جبکہ اللہ نے قتال کے بارے میں واضح حکم نازل کر دیا ہے تو ان کی یہ دلیل ختم ہو گئی ہے۔

آیت ۲۱ ﴿طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۭ﴾ ''اطاعت لازم ہے اور کوئی بھلی بات کہی جا سکتی ہے۔''

ان کے لیے پسندیدہ روش اطاعت اور قولِ معروف کی تھی۔ یہ لوگ جب ایمان کے دعوے دار

ہیں تو ان پر اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت لازم ہے۔ ایمان کے دعوے کے ساتھ ساتھ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے خلاف دلیل بازی نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر کسی معاملے میں یہ لوگ معروف طریقے سے کوئی مفید مشورہ دینا چاہتے تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔

﴿فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾﴾ ''تو جب کوئی فیصلہ طے پا جائے تو پھر اگر وہ اللہ سے (اپنے ایمان کے وعدے میں) سچے ثابت ہوں' تبھی ان کے لیے بہتری ہے۔''

آیت ۲۲ ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾﴾ ''پس تم سے اس کے سوا کچھ متوقع نہیں ہے کہ اگر تم لوگوں کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد مچاؤ گے اور اپنے رحمی رشتے کاٹو گے۔''

عام طور پر اس آیت کے دو ترجمے کیے جاتے ہیں۔ دوسرے ترجمے کے مطابق آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر تم لوگ قتال سے منہ موڑو گے تو تم سے یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ تم زمین میں فساد مچاؤ گے اور خونی رشتوں کے تقدس کو پامال کرو گے۔ اوپر آیت کے تحت جو ترجمہ اختیار کیا گیا ہے وہ شیخ الہندؒ کے ترجمے کے مطابق ہے اور مجھے اسی سے اتفاق ہے۔ شیخ الہندؒ کے ترجمے کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی قرابتیں''۔ یعنی اس مرحلے پر جبکہ تم لوگوں نے تربیت کے ضروری مراحل ابھی طے نہیں کیے ہیں' ابھی تم آزمائشوں کی بھٹیوں میں سے گزر کر کندن نہیں بنے ہو اور تزکیۂ باطن اور تقویٰ کے مطلوبہ معیار تک نہیں پہنچے ہو' ایسی حالت میں اگر تم لوگوں کو جزیرہ نمائے عرب میں اقتدار مل جائے تو اس کا نتیجہ ''فساد فی الارض'' کے سوا اور بھلا کیا نکلے گا!

اس آیت کے مخاطب دراصل مدینہ اور اس کے اطراف و جوانب کے وہ لوگ ہیں جو ہجرت کے فوراً بعد ابھی تازہ تازہ ایمان لائے تھے' انہوں نے ابتدائی دور کے اہل ایمان کی طرح اس راستے میں کڑی آزمائشوں کا سامنا نہیں کیا تھا اور اس لحاظ سے ان کے کردار و عمل میں ابھی مطلوبہ پختگی اور استقامت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس کا عملی ثبوت غزوۂ اُحد کے موقع پر اس وقت سامنے آ گیا جب مسلمانوں کی صفوں سے ایک تہائی لوگ اچانک بہانہ بنا کر طے شدہ لائحہ عمل سے لاتعلق ہو کر اپنے گھروں میں جا بیٹھے۔ گویا اس وقت اہل ایمان کے اندر اتنی بڑی تعداد میں ضعیف الاعتقاد مسلمان اور منافقین موجود تھے۔

اس اہم نکتے پر آج ان تمام دینی جماعتوں کو بھی خصوصی توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے جو اپنی دانست میں غلبۂ دین کے لیے اقتدار حاصل کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ اگر یہ جماعتیں اپنے کارکنوں کی مناسب تربیت پر توجہ نہیں دیں گی اور ان کے اندر اخلاص اور للّٰہیت کے پاکیزہ جذبات پروان چڑھانے کے لیے مؤثر اقدامات نہیں کریں گی تو انہیں اقتدار ملنے کے نتیجے میں اصلاح کی بجائے الٹا فساد پیدا ہوگا اور ایسی صورتِ حال دین اور غلبۂ دین کی جدّ و جُہد کے لیے بدنامی کا باعث بنے گی۔ کیونکہ فاسق و فاجر قسم کے لوگوں اور لادینی قوتوں کے پیدا کردہ فساد کو تو دنیا کسی اور زاویے سے دیکھتی ہے' لیکن اگر کسی دینی جماعت کے اقتدار کی چھتری کے نیچے ''فساد فی الارض'' کی کیفیت پیدا ہوگی تو اس سے جماعت کی شہرت کے ساتھ دین بھی بدنام ہوگا۔

آیت ۲۳ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے' پس ان کے کانوں کو بہرا اور ان کی نگاہوں کو اندھا کر دیا ہے۔''

آیت ۲۴ ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰي قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾﴾ ''کیا یہ لوگ قرآن پر تدبّر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑ چکے ہیں!''

اگر یہ لوگ قرآن کے احکام پر غور و فکر کرتے اور اس کے بین السطور پیغام کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ غلبۂ دین کی جدّ و جُہد میں جن جن مراحل سے ان کو سابقہ پڑ رہا ہے ان تمام مراحل کے بارے میں تو انہیں پہلے سے ہی متنبہ کر دیا گیا تھا۔ ذرا دیکھیں سورۃ العنکبوت کی ان آیات میں راہِ حق کی آزمائشوں سے متعلق کیسے دوٹوک انداز میں بتا دیا گیا ہے:

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿٢﴾﴾ ''کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا!'' ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٣﴾﴾ ''اور ہم نے تو ان کو بھی آزمایا تھا جو ان سے پہلے تھے' چنانچہ اللہ ظاہر کر کے رہے گا اُن کو جنہوں نے سچ بولا اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں''۔ ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿١١﴾﴾ (العنکبوت) ''اور یقیناً اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچے اہلِ ایمان کو' اور ظاہر کر کے رہے گا منافقین کو بھی۔''

آیت ۲۵ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ ارۡتَدُّوۡا عَلٰۤی اَدۡبَارِہِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡہُدَی ۙ الشَّیۡطٰنُ سَوَّلَ لَہُمۡ ؕ وَ اَمۡلٰی لَہُمۡ ﴿۲۵﴾﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جو پھر گئے اپنی پیٹھوں کے بَل‘ اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی‘ شیطان نے ان کے لیے (ارتداد کا یہ مرحلہ) آسان کر دیا ہے اور انہیں لمبی لمبی امیدیں دلائی ہیں۔‘‘

’’طولِ امل‘‘ کے اس شیطانی چکّر میں پڑ کر انسان آخرت کو بالکل ہی فراموش کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے جس شخص نے لمبی لمبی امیدیں قائم کر کے اپنی زندگی میں بڑے بڑے منصوبے بنا رکھے ہوں‘ اس کے دل میں شہادت کی تمنّا کیسے پیدا ہو سکتی ہے‘ اور ایسا شخص میدانِ جنگ میں جانا بھلا کیونکر پسند کرے گا!

آیت ۲۶ ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡا لِلَّذِیۡنَ کَرِہُوۡا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ سَنُطِیۡعُکُمۡ فِیۡ بَعۡضِ الۡاَمۡرِ ۚ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ اِسۡرَارَہُمۡ ﴿۲۶﴾﴾ ’’یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہیں اللہ کا نازل کیا ہوا (قرآن) ناپسند ہے‘ کہا کہ ہم بعض امور میں تمہاری اطاعت جاری رکھیں گے۔ اور اللہ کو ان کی خفیہ باتوں کا خوب علم ہے۔‘‘

اللہ کے نازل کردہ قرآن کو ناپسند کرنے والے مشرکین اور یہود تھے‘ جنہیں منافقین مسلسل اپنی وفاداریوں کا یقین دلاتے رہتے تھے کہ ہم بظاہر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر ایمان لا کر مسلمانوں میں شامل تو ہو گئے ہیں مگر آپ لوگوں سے ہمارا رشتہ بدستور قائم رہے گا اور تمام اہم معاملات میں صلاح مشورہ ہم آئندہ بھی آپ لوگوں سے ہی کیا کریں گے۔ منافق تو کہتے ہی اس شخص کو ہیں جو اپنا رشتہ دونوں طرف جوڑنے کی کوشش میں رہے۔ سورۃ النساء میں منافقین کی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿مُذَبۡذَبِیۡنَ بَیۡنَ ذٰلِکَ ۫ لَاۤ اِلٰی ہٰۤؤُلَآءِ وَ لَاۤ اِلٰی ہٰۤؤُلَآءِ ؕ﴾ (آیت ۱۴۳) ’’یہ اس کے مابین مذبذب ہو کر رہ گئے ہیں‘ نہ تو یہ اِن کی جانب ہیں اور نہ ہی اُن کی جانب ہیں‘‘۔ جبکہ سورۃ البقرۃ میں ان کے دوغلے پن کا پردہ ان الفاظ میں چاک کیا گیا ہے: ﴿وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚ وَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ ’’اور جب یہ اہلِ ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان رکھتے ہیں‘ اور جب یہ خلوت میں ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے تو ہم محض مذاق کر رہے ہیں۔‘‘

آیت ۲۷ ﴿فَکَیۡفَ اِذَا تَوَفَّتۡہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡہَہُمۡ وَ اَدۡبَارَہُمۡ ﴿۲۷﴾﴾

’’تو کیا حال ہوگا (ان کا اُس وقت) جب فرشتے ان کی جانیں قبض کریں گے ضربیں لگاتے ہوئے ان کے چہروں پر اور ان کی پیٹھوں پر۔‘‘

آیت ۲۸ ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّہُمُ اتَّبَعُوۡا مَاۤ اَسۡخَطَ اللّٰہَ﴾ ’’یہ اس لیے کہ انہوں نے پیروی کی اُس چیز کی جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہے‘‘

﴿وَ کَرِہُوۡا رِضۡوَانَہٗ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۲۸﴾﴾ ’’اور انہوں نے ناپسند کیا اس کی رضا کو‘ تو اُس نے ان کے تمام اَعمال اَکارت کر دیے۔‘‘

قتال کے اس مرحلے پر ان لوگوں کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسجد نبویؐ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتدا میں پڑھی گئی نمازوں سمیت ان کے اب تک کے تمام نیک اعمال ضائع کر دیے۔

آیات ۲۹ تا ۳۸

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ اَنۡ لَّنۡ یُّخۡرِجَ اللّٰہُ اَضۡغَانَہُمۡ ﴿۲۹﴾ وَ لَوۡ نَشَآءُ لَاَرَیۡنٰکَہُمۡ فَلَعَرَفۡتَہُمۡ بِسِیۡمٰہُمۡ ؕ وَ لَتَعۡرِفَنَّہُمۡ فِیۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ اَعۡمَالَکُمۡ ﴿۳۰﴾ وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ حَتّٰی نَعۡلَمَ الۡمُجٰہِدِیۡنَ مِنۡکُمۡ وَ الصّٰبِرِیۡنَ ۙ وَ نَبۡلُوَا۠ اَخۡبَارَکُمۡ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ شَآقُّوا الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡہُدٰی ۙ لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیۡئًا ؕ وَ سَیُحۡبِطُ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۳۲﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ لَا تُبۡطِلُوۡۤا اَعۡمَالَکُمۡ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ثُمَّ مَاتُوۡا وَ ہُمۡ کُفَّارٌ فَلَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَہِنُوۡا وَ تَدۡعُوۡۤا اِلَی السَّلۡمِ ۖۚ وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ ۚ وَ اللّٰہُ مَعَکُمۡ وَ لَنۡ یَّتِرَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ ؕ وَ اِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَ تَتَّقُوۡا یُؤۡتِکُمۡ اُجُوۡرَکُمۡ وَ لَا یَسۡـَٔلۡکُمۡ اَمۡوَالَکُمۡ ﴿۳۶﴾ اِنۡ یَّسۡـَٔلۡکُمُوۡہَا فَیُحۡفِکُمۡ تَبۡخَلُوۡا وَ یُخۡرِجۡ اَضۡغَانَکُمۡ ﴿۳۷﴾ ہٰۤاَنۡتُمۡ ہٰۤؤُلَآءِ

تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

آیت ۲۹ ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾﴾ ''کیا سمجھ رکھا تھا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں روگ ہے کہ اللہ ان کے کھوٹ کو ظاہر نہیں کرے گا؟''

ان کا تو یہی خیال تھا کہ ان کے دوغلے پن کے بارے میں کسی کو خبر نہیں ہوگی اور ان کے سینوں کے کھوٹ بے نقاب نہیں ہوں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تو ان کے نفاق کو ظاہر کرنا ہی تھا۔ سورۃ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے دوٹوک الفاظ میں فرما دیا تھا: ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ ظاہر کر کے رہے گا سچے اہل ایمان کو اور ظاہر کر کے رہے گا منافقین کو بھی۔''

آیت ۳۰ ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ﴾ ''اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو یہ لوگ دکھا دیں اس طرح کہ آپ ان کے چہروں سے انہیں پہچان لیں گے۔''

انگریزی کی مشہور کہاوت ہے face is the index of mind یعنی انسان کے دل کی کیفیت کا عکس اس کے چہرے پر عیاں ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک صادق الایمان شخص کے چہرے اور ایک منافق کے چہرے کی شناخت چھپ تو نہیں سکتی۔

﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ﴾ ''اور آپ انہیں لازماً پہچان لیں گے (ان کی) گفتگو کے انداز سے۔''

چہرے کی طرح انسان کی گفتگو کا انداز بھی اس کے دل کی کیفیت کی غمازی کرتا ہے۔ ایک سچے اور کھرے انسان کی گفتگو اور ایک منافق شخص کی گفتگو کے اطوار و انداز میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾﴾ ''اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔''

آیت ۳۱ ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾﴾ ''اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم ظاہر کر دیں انہیں جو تم

میں سے جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے ہیں اور ہم پوری تحقیق کر لیں تمہارے حالات کی۔''

حَتّٰى نَعْلَمَ کا لفظی ترجمہ تو یوں ہوگا کہ ہم معلوم کر لیں' لیکن اہلِ سنّت کے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو پہلے سے اس کے علم میں نہ ہو۔ اس لیے ان الفاظ کی ترجمانی یونہی ہوگی کہ ہم تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم ظاہر کر دیں اور سب کو دکھا دیں کہ تم میں سے مجاہدین کون ہیں اور صبر کرنے والے کون؟ یہ آیت پڑھتے ہوئے سورۃ البقرۃ کی اس آیت کو بھی ذہن میں تازہ کر لیں: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾ (آیت ۱۵۵) ''اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے''۔ سورۃ البقرۃ کی اس آیت کے نزول کے وقت چونکہ قتال کا حکم نہیں آیا تھا اس لیے اس میں آزمائشوں اور سختیوں کا ذکر تو ہے لیکن قتال کا ذکر نہیں ہے۔ اس لیے یوں سمجھئے کہ آیت زیر مطالعہ گویا سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت کی توسیع (extension) ہے' جس میں قتال کے حوالے سے خصوصی طور پر فرمایا گیا ہے کہ اب ہم تم میں سے واقعتاً جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو چھان پھٹک کر الگ کرنا چاہتے ہیں۔

آیت ۳۲ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جو روکتے رہے دوسروں کو اللہ کے راستے سے اور وہ رسولؐ کی مخالفت میں سرگرم رہے اس کے بعد کہ ان کے لیے ہدایت واضح ہو چکی تھی' وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اور وہ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا۔''

گزشتہ آیات میں منافقین کے حبطِ اعمال کا ذکر تھا' اب آیت زیر مطالعہ میں کفارِ مکہ کے اعمال کی بربادی کا بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے زعم میں بیت اللہ کے متولی ہونے اور حاجیوں کی خدمت بجالانے جیسی نیکیوں پر پھولے نہیں سماتے' لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کی سند کے بغیر ان کا کوئی عمل بھی قابلِ قبول نہیں ہے۔ سورۃ التوبہ کی اس آیت میں ان لوگوں کو اس حوالے سے براہِ راست مخاطب کیا گیا ہے: ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾

(آیت ۱۹) ''کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد رکھنے کو برابر کر دیا ہے اس شخص (کے اعمال) کے جو ایمان لایا اللہ پر اور یومِ آخرت پر اور اس نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں؟''

آیت زیر مطالعہ میں ''اللہ کے راستے سے روکنے اور اللہ اور رسول کی مخالفت'' کے حوالے سے مشرکینِ مکّہ کی اس طویل اور جاں گسل ''جِدّوجُہد'' کی طرف بھی اشارہ ہے جس میں پچھلے اٹھارہ برسوں سے وہ اپنا تَن مَن دھن کھپا رہے ہیں۔ آخر انہوں نے بھی تو اپنے ''دین'' کے لیے جنگیں لڑی تھیں اور ان جنگوں میں انہوں نے جان و مال کی قربانیاں بھی دی تھیں۔ صرف جنگِ بدر میں انہوں نے اپنے ۷۰ جنگجو قربان کیے تھے۔ اس جنگ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ان کا جذبہ انفاق بھی دیدنی تھا۔ نو سو اونٹ تو انہوں نے صرف لشکر کی غذائی ضروریات (نو یا دس اونٹ روزانہ کے حساب سے) پوری کرنے کے لیے مہیا کیے تھے۔ اس ایک مد کے اخراجات سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ''دین'' کے راستے میں کیسی کیسی قربانیاں دیں اور اپنے زعم میں کتنی بڑی بڑی نیکیاں کمائیں تھیں۔ بہرحال آیت زیر مطالعہ میں ان پر واضح کیا جا رہا ہے کہ اپنے زعم میں تم لوگوں نے جو بڑی بڑی نیکیاں کما رکھی ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے کفر اور اللہ و رسولؐ سے تمہاری مخالفت کی وجہ سے وہ سب برباد کر دی ہیں۔

آیت ۳۳ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾﴾ ''اے اہلِ ایمان! تم لوگ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور کہیں اپنے اعمال ضائع نہ کر بیٹھنا۔''

اب تک تو تم لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر ''آمَنَّا وَصَدَّقْنَا'' کہتے آئے ہو اور اللہ کے دین کے لیے جان و مال کی قربانیاں بھی دیتے آئے ہو۔ لیکن اب قتال کا جو نیا اور مشکل مرحلہ آ رہا ہے اس مرحلے میں تم لوگوں سے اب مزید قربانیوں کا مطالبہ ہے۔ چونکہ ایمان کا اولین تقاضا تو یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا جس وقت جو حکم ہو اس کی تعمیل کی جائے' اس لیے دیکھنا! اس مرحلے میں تم سے کہیں کوئی کوتاہی سرزد نہ ہونے پائے۔ اگر خدانخواستہ اس مرحلے پر تم لوگوں نے پیٹھ دکھا دی تو اس سے تمہارے تمام گزشتہ اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔

آیت ۳۴ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور وہ اللہ کے راستے سے رکے رہے (اور دوسروں کو بھی روکتے رہے) پھر وہ مر گئے اس حالت میں کہ کافر ہی رہے تو ایسے لوگوں

کو اللہ ہرگز نہیں بخشے گا۔''

آیت ۳۵ ﴿فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۠﴾ ''تو (اے مسلمانو!) تم لوگ ڈھیلے نہ پڑو اور صلح و سلامتی کی دعوت مت دو''

یاد رکھو! غلبۂ دین کی جِدّوجُہد کا یہ مرحلہ تم سے سرفروشی کا تقاضا کرتا ہے۔ اس مرحلے میں اب تمہیں دشمنوں سے صلح و سلامتی کے لیے مذاکرات کرنے اور جنگ سے بچنے کی حکمت عملی اپنانے کی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ تمہاری تحریک اب جس مرحلے میں داخل ہو چکی ہے اس مرحلے پر اب صلح و سلامتی کے پرچار کا موقع نہیں' بلکہ جانیں قربان کرنے کا وقت ہے۔

﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۠ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾﴾ ''اور تم لوگ ہی غالب ہو گے' اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔''

آیت ۳۶ ﴿اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ﴾ ''یہ دنیا کی زندگی تو محض کھیل ہے اور کچھ جی کا بہلانا ہے۔''

آخرت کی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کی حیثیت لہو و لعب سے زیادہ کچھ نہیں۔ اسی حقیقت کو سورۂ آلِ عمران میں اس طرح واضح کیا گیا ہے: ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾﴾ ''اور یہ دنیا کی زندگی تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ صرف دھوکے کا سامان ہے۔''

﴿وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ﴾ ''اور اگر تم لوگ ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کیے رہو تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا''

﴿وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور تم سے تمہارے اموال نہیں مانگے گا۔''

قرآن میں ''انفاق فی سبیل اللہ'' کے بارے میں بہت تلقین اور تاکید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے بار بار ان کے اموال کا براہِ راست مطالبہ بھی کیا ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ...﴾ (البقرۃ:۲۴۵) ''کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے.....!'' اور انفاق سے گریز کی روش کی سخت الفاظ میں مذمت بھی کی ہے: ﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ﴾ (البقرۃ:۱۹۵) ''خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور مت ڈالو اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں۔''

بہرحال قرآن میں اس موضوع پر جتنا بھی اصرار و تکرار ہے وہ ترغیب و تشویق کے انداز میں ہے' اس میں جبر اور زبردستی کا پہلو بالکل نہیں ہے۔ حضور ﷺ کی عظیم الشان انقلابی

جِدّ و جُہد کا یوں تو ہر انداز ہی مثالی اور قابلِ تعریف ہے‘ لیکن زیر بحث موضوع کے حوالے سے آپؐ کی اس تحریک کا جو پہلو خصوصی طور پر لائقِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ اس میں کہیں ’’ایمرجنسی‘‘ کی صورتِ حال نظر نہیں آتی ہے۔ کسی بھی مرحلے میں کسی کا مال ’’بحق سرکار‘‘ ضبط نہیں کیا گیا‘ اور نہ ہی کسی معرکے کے لیے لوگوں کی پکڑ دھکڑ ہوئی۔ ’’نفیر عام‘‘ بھی پوری تحریک کے دوران صرف ایک موقع (غزوۂ تبوک) پر ہوئی‘ ورنہ لوگوں کو متحرک کرنے کے لیے ہمیشہ ترغیب و تشویق کا ہی انداز اپنایا گیا: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ؕ﴾ (الانفال: ۶۵) ’’اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! ترغیب دلایئے اہلِ ایمان کو قتال کی‘‘۔ بہرحال ترغیب کے لیے اہلِ ایمان کو اجر و ثواب کا وعدہ دیا گیا اور انہیں ’’شہادت ہے مقصود و مطلوب مؤمن‘‘ کا سبق پڑھایا گیا‘ لیکن کبھی زور زبردستی نہیں کی گئی۔ اس سیاق و سباق میں آیت زیر مطالعہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے زبردستی تمہارے اموال نہیں مانگتا یا تم سے سارے کا سارا مال دے ڈالنے کا مطالبہ نہیں کرتا۔

آیت ۳۷ ﴿اِنْ یَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَیُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾﴾ ’’اگر وہ تم سے ان (اموال) کے بارے میں مطالبہ کرے اور اس معاملے میں تم پر تنگی کرے تو تم بخل سے کام لو گے اور وہ ظاہر کر دے گا تمہارے (دلوں کے) کھوٹ کو۔‘‘

منافقین کے ساتھ عملی طور پر ایسا ہوتا بھی رہا کہ جب بھی کبھی مشکل حالات سے سابقہ پڑا‘ ان کے دلوں کا کھوٹ فوراً ان کی زبانوں پر آ گیا۔ جیسے غزوۂ احزاب کے موقع پر منافقین کے اندر کی خباثت ان الفاظ کے ساتھ ان کی زبانوں پر آ گئی تھی: ﴿مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾﴾ (الاحزاب: ۱۲) کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے تو ہمیں دھوکہ دیا ہے اور مستقبل کے بارے میں اب تک ہمیں سبز باغ ہی دکھائے جاتے رہے ہیں۔

آیت ۳۸ ﴿هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ﴾ ’’تم وہ لوگ ہو کہ تمہیں بلایا جا رہا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔‘‘

﴿فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ﴾ ’’پس تم میں سے کوئی وہ بھی ہے جو بخل سے کام لیتا ہے‘ اور جو کوئی بھی بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل ترغیب کے باوجود جو لوگ انفاق فی سبیل اللہ سے جی چراتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس معاملے میں بخل کر کے وہ کسی اور کا نہیں بلکہ اپنا ہی نقصان

کر رہے ہیں اور نقصان بھی ایسا جس کی تلافی ممکن نہیں۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے مفادات کی خاطر آخرت کے دائمی اور ابدی اجر و ثواب سے خود کو محروم کر لینا اور ایک کے بدلے سات سو ملنے کے وعدۂ خداوندی کو لائقِ التفات نہ سمجھنا کوئی معمولی نقصان تو نہیں ہے۔

﴿وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ﴾ ’’اور اللہ غنی ہے اور محتاج تو تم ہی ہو۔‘‘

اللہ تعالیٰ تو غنی اور بے نیاز ہے‘ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں‘ وہ تو صرف تمہارے امتحان کے لیے تم سے کہتا ہے کہ مجھے قرض دو۔ اور اگر وہ تمہارے صدقات کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے ﴿وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾ (التوبہ: ۱۰۴) تو ایسا وہ محض تمہارے اعزاز و اکرام کے لیے کرتا ہے۔

﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾﴾ ’’اور اگر تم پیٹھ پھیر لو گے تو وہ تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئے گا‘ پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔‘‘

یہ دوٹوک اور فیصلہ کن انداز ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ اس حکم کا اطلاق ان لوگوں پر بھی ہوا ہوگا جنہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیت میں رہتے ہوئے منافقت کی بنا پر پیٹھ موڑ لی تھی۔ ظاہر ہے وہ لوگ جب اس آیت کے مصداق بنے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں راندۂ درگاہ کر دیا اور ان کی جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے سچے ’’جاں نثار‘‘ اہلِ ایمان ساتھی فراہم کر دیے۔ لیکن اس کے بعد اس آیت کے مخاطب و مصداق دراصل ’’اہلِ عرب‘‘ ہیں جو اُمّتِ مُسلمہ کے مرکزہ (nucleus) کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس نکتے کو یوں سمجھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثتِ اصلی یا بعثتِ خصوصی ’’اُمّیین‘‘ یعنی بنواسماعیل اور ان کے تابع مشرکین عرب کے لیے تھی۔ بنیادی طور پر تو وہی لوگ تھے جن کے سپرد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشن اس واضح حکم کے ساتھ ہوا تھا: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ؕ﴾ (البقرۃ: ۱۴۳) ’’(اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمّتِ وَسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہوں‘‘۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں براہِ راست خطاب دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ’’اہلِ عرب‘‘ اُمتیوں سے ہے کہ اگر تم نے اس مشن سے منہ موڑ لیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو اس منصب پر فائز کر دے گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ظہور بتمام و بکمال تیرہویں صدی عیسوی میں اس وقت ہوا جب ہلاکو خان کے ذریعے سلطنتِ عباسیہ کو تاخت و تاراج کر دیا گیا۔

(باقی صفحہ 52 پر)

تحریکِ اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ

''یا چناں کن یا چنیں!''

اپریل ۱۹۹۶ء کے میثاق میں شائع شدہ بانی تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ
کی ایک اہم تحریر جسے ''قندِ مکرر'' کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے

''تحریکِ اسلامی'' ایک جانب تو ادویات کے ''جنرک ناموں'' (Generic Names) کی طرح کا عمومی عنوان بھی ہے جس کے ذیل میں عالَمِ اسلام کی جملہ احیائی تحریکیں شامل ہیں' لیکن دوسری جانب یہ ایک ایسی پاکستانی تنظیم کا ''عنوانِ خاص'' (Brand Name) یا اسمِ علم بھی ہے جو گزشتہ سال اپریل میں منصۂ شہود پر آئی تھی اور ایک سال سے بھی کم مدّت میں تقسیم ہو کر دو دھڑوں کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اور یہ ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دونوں دھڑے ایک ہی نام اختیار کیے رکھتے ہیں اور مختلف سیاسی اور مذہبی تنظیموں (جیسے مسلم لیگ' جمعیت علماء اسلام' جمعیت علماء پاکستان وغیرہ) کے مانند اپنے اپنے قائدین کے ناموں سے معنون ''گروپس'' کی صورت اختیار کرتے ہیں یا ان میں سے کوئی ایک اپنا نام تبدیل کر لیتا ہے!

''جنرک'' اعتبار سے برعظیم پاک و ہند کی جماعت اسلامی اور عالَمِ عرب کی الاخوان المسلمون ہوں جو لگ بھگ ساٹھ ستر سال سے مسلسل برسرکار ہیں' یا انڈونیشیا کی مسجومی پارٹی ہو جو شروع تو ان کے ساتھ ہی ہوئی تھی لیکن بعد میں طویل عرصہ تک پس منظر میں رہی اور اب حال ہی میں دوبارہ منظرِ عام پر آ رہی ہے' یا ایران کے فدائین ہوں جو آغاز کے اعتبار سے تو ان سب ہی کے ہم عصر تھے لیکن پھر ''پردۂ غیب بت کبریٰ'' میں چلے گئے — ان سب کو ایک ہی عظیم تر تحریک اسلامی کی مختلف تنظیمی ہیئتیں قرار دیا جا سکتا ہے' اس لیے کہ جناب نعیم صدیقی کا یہ شعر کہ ؎

''ہے ایک ہی نغمہ کہیں اونچا کہیں مدھم
ہے ایک ہی جذبہ کہیں واضح کہیں مبہم''

ان سب پر بالکلیہ منطبق ہوتا ہے۔

یہ دوسری خالص مذہبی یا نیم مذہبی و نیم سیاسی جماعتوں سے اس اعتبار سے بالکل ممیّز' اور باہم ایک دوسرے سے مشابہ ہیں کہ ان کے نزدیک اسلام ''دین'' یعنی مکمل نظامِ زندگی ہے' صرف ''مذہب'' یعنی محض عقائد و عبادات اور چند معاشرتی رسومات و معمولات پر مشتمل انفرادی معاملہ نہیں۔ اور مسلمانوں کا اصل فرضِ منصبی ''اقامتِ دین'' ہے' یعنی یہ کہ اسلام کو ایک مکمل سیاسی' معاشی اور معاشرتی نظام..... یعنی Politico-Socio-Economic System کی حیثیت سے بالفعل قائم کیا جائے۔ چنانچہ یہ سب تحریکیں یا تنظیمیں فرقہ واریت سے مبرا' اور فقہی و روحانی مسالک و مذاہب کے ضمن میں وسیع المشرب ہیں — جبکہ' صرف ایک استثناء کے سوا' باقی جملہ مذہبی تنظیمیں خالص فرقہ وارانہ بنیادوں پر قائم ہیں اور اپنے اپنے مسلکوں سے متعلق عوام کے تعاون سے موجودہ سیاست کے مروّجہ اصولوں کے مطابق کشاکشِ اقتدار میں اپنی بساط کے مطابق بھرپور طور پر شریک ہیں۔

وہ ''واحد استثناء'' جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے' تبلیغی جماعت کا ہے جو متعدد اعتبارات سے عجیب و غریب بھی ہے اور اپنی مثال آپ بھی۔ اس لیے کہ اس کا تصوّرِ اسلام خالص ''مذہبی'' ہے' چنانچہ نہ یہ سیاسی ہے نہ انقلابی' بایں ہمہ یہ خود نہایت ''متحرک'' بھی ہے اور حد درجہ فعال بھی۔ اس طرح اگرچہ اس میں زیادہ تر ایک ہی مسلک و مشرب کے لوگ شامل ہیں (یعنی حنفی دیوبندی) لیکن فرقہ واریت کو اس کی بنیاد میں ہرگز کوئی عمل دخل حاصل نہیں ہے۔ مزید برآں اگرچہ اس کا تنظیمی ڈھانچہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے لیکن ع ''ہر چند کہیں کہ ہے' نہیں ہے!'' کے مصداق اسے نہ ٹھیٹھ دینی اصطلاح کے مطابق ''جماعت'' قرار دیا جا سکتا ہے' نہ موجودہ دنیا کے مروّجہ اعتبارات سے! اس لیے کہ ایک جانب نہ تو اس کی عہد حاضر کے مروّجہ نظاموں کے مطابق کوئی بنیادی اور مستقل رکنیت (membership) ہے' نہ کوئی تحریری دستور' اور دوسری جانب اگرچہ جب تبلیغی گروپوں کی تشکیل ہوتی ہے تب تو باقاعدہ امیر مقرر کیے جاتے ہیں لیکن کم از کم فی الوقت اس کا نہ کوئی عالمی امیر ہے نہ پاکستان کی جماعت کا۔ گویا آنحضور ﷺ کے قولِ مبارک ((لَا جَمَاعَةَ اِلَّا بِالْاِمَارَةِ)) (سنن دارمیؒ) کے مطابق جماعت قرار پانے کی شرطِ لازم پوری نہیں ہوتی (اس لیے کہ مولانا انعام الحسنؒ کے انتقال کے بعد کسی ایک شخص کو ''امیر''

نہیں بنایا گیا بلکہ تین افراد پر مشتمل بورڈ بنا دیا گیا ہے‘ جن میں سے دو تو ’’صاحبزادگان‘‘ ہیں‘ یعنی ایک امیر ثانی مولانا محمد یوسفؒ کے پوتے اور دوسرے امیر ثالث مولانا انعام الحسنؒ کے بیٹے اور ایک معمر بزرگ ہیں۔)

ادھر ’’عظیم تر تحریک اسلامی‘‘ کی دو نمایاں ترین تنظیمی صورتیں یعنی غیر منقسم ہندوستان کی جماعت اسلامی اور عالمِ عرب کی الاخوان المسلمون امتدادِ زمانہ کے باعث طبعی طور پر شکست وریخت کا شکار ہوئیں اور ان میں سے ہر ایک کی کوکھ سے متعدد تنظیموں اور جماعتوں نے جنم لیا۔ مثلاً مصر کی الاخوان المسلمون کے مؤسس اور اوّلین مرشد عام شیخ حسن البنّاء شہیدؒ کے ایک ساتھی اور ارادت مند شیخ تقی الدین نبہانیؒ نے ان کی زندگی ہی میں علیحدہ راستہ اختیار کر کے ’’حزب التحریر‘‘ کی بنیاد رکھی‘ پھر کچھ عرصہ کے بعد جناب عمر تلمسانی کی امارت کے زمانے میں اوّلاً ’’التکفیر والھجرۃ‘‘ نامی متشدد اور دہشت گرد گروہ علیحدہ ہوا اور پھر ’’جماعتِ اسلامیہ‘‘ (جس کا تلفظ ’’گماعہ اسلامی‘‘ کیا جاتا ہے) علیحدہ ہوئی۔ اسی طرح جماعت اسلامی ہند بھی اوّل تو ہندوستان کی تقسیم در تقسیم کے نتیجے میں خود بھی چھ جماعتوں میں تقسیم ہو چکی ہے (یعنی جماعت اسلامی پاکستان‘ جماعتِ اسلامی بھارت‘ جماعتِ اسلامی بنگلہ دیش‘ جماعتِ اسلامی کشمیر‘ جماعتِ اسلامی آزاد کشمیر اور جماعتِ اسلامی سری لنکا) دوسرے اس سے مختلف مواقع پر علیحدگی اختیار کرنے والوں نے بھی علیحدہ علیحدہ ناموں سے جماعتیں قائم کرنے کی متعدد کوششیں کیں‘ جن میں سے پاکستان میں ایک راقم الحروف کی قائم کردہ ’’تنظیم اسلامی‘‘ ہے‘ جو بحمد اللہ اکیس برس سے مسلسل مدھم رفتار لیکن مستقل مزاجی کے ساتھ‘ سوائے چند افراد کی وقتاً فوقتاً علیحدگی کے‘ کسی بھی بڑے شکست وریخت سے محفوظ و مامون رہتے ہوئے بھی کام کر رہی ہے — دوسرے نمبر پر حال ہی میں پنجاب میں مولانا مودودی مرحوم کے اوّلین رفیق کار اور مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے بعد جماعت اسلامی پاکستان کے بلاشبہ نمبر تین مصنف و مقرر جناب نعیم صدیقی صاحب کی امارت میں قائم ہونے والی ’’تحریک اسلامی‘‘ تھی‘ جس کے‘ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا‘ ایک سال سے بھی کم مدّت میں دو ٹکڑے ہو چکے ہیں‘ جن میں سے نعیم صدیقی صاحب کا ساتھ دینے والا ٹکڑا دوسرے کے مقابلے میں تعدادِ ارکان کے اعتبار سے چھوٹا ہے۔

پاکستان میں گزشتہ پچاس (قمری) سالوں کے دوران میں اور جتنے اکابر یا اصاغر جماعت

اسلامی سے علیحدہ ہوئے یا خارج کر دیے گئے ان میں سے دوسرے متعدد حضرات نے بھی جماعتیں یا تنظیمیں بنانے کی کوشش تو کی لیکن کسی اور کو کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ اسی طرح میری محدود معلومات کی حد تک بھارت کی جماعت اسلامی سے بھی حیدر آباد دکن سے تعلق رکھنے والے چند حضرات نے علیحدہ ہو کر ایک نئی جماعت بنائی تھی جس کے سربراہ اس علاقے سے جماعت کے رکن اوّل مولانا محمد یونس مرحوم تھے‘ لیکن وہ بھی چل نہیں سکی تھی۔ (واللہ اعلم!)

پاکستان کی تاریخ کے ابتدائی دس سالوں کے دوران میں تحریک اسلامی یا تحریک اقامتِ دین ’’جماعتِ اسلامی‘‘ کے عنوان سے‘ چند سو اراکین اور چند ہزار کارکنوں کی نہایت منظّم‘ متحد‘ پُر جوش اور انتھک محنت و مشقت اور ایک شخصِ واحد یعنی مولانا مودودی مرحوم کی ہمہ جہت اور ہر اعتبار سے مسلّم اور متفق علیہ قیادت کی بنا پر بہت سی بڑی اور پرانی مذہبی و سیاسی جماعتوں پر بھاری رہی۔ تا آنکہ ۵۷-۱۹۵۶ء میں یہ ایک عظیم بحران سے دو چار ہوئی‘ جس کے نتیجے میں اس کی قیادت کی پوری صفِ دوم اس سے علیحدہ ہو گئی۔ چنانچہ اس ’’خروج‘‘ (Exodus) کے بعد جماعت اسلامی کی امارت کے لیے مولانا مودودی مرحوم کے بعد مولانا مودودی کے سینئر رفقاء میں سے میاں طفیل محمد صاحب کے سوا کوئی نہ بچا۔

اُس وقت جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والوں میں تین اشخاص سب سے زیادہ نمایاں ہوئے: ایک سابق امیر جماعت اسلامی پنجاب اور مدیر روزنامہ ’’تسنیم‘‘ لاہور جناب سعید ملک (مرحوم) جنہوں نے شدید جارحانہ انداز اختیار کیا اور جماعت کی پوری نوکر شاہی اور بعض اہم قائدین پر جھوٹ‘ فریب اور خیانت تک کے الزام عائد کیے اور باقاعدہ پریس کانفرنس میں علیحدگی کا اعلان کیا۔ دوسرے ان سطور کا ناچیز راقم جس کا اختلاف خالص اصولی تھا‘ یعنی یہ کہ ’’جماعت اپنے ابتدائی اور ٹھیٹھ اصولی‘ اسلامی‘ انقلابی رول کو ترک کر کے اب صرف ایک ’’اسلام پسند‘‘ قومی سیاسی جماعت کا رول اختیار کر چکی ہے جس سے رجوع لازمی ہے!‘‘ اور جو اپنی نوعمری اور بے بضاعتی کے باوجود ’’نمایاں‘‘ اس لیے ہو گیا تھا کہ اس نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے ایک مفصّل بیان بھی تحریر کیا تھا (جو دس سال بعد ۱۹۶۶ء میں ’’تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ‘‘ کے نام سے سوا دو سو صفحات پر مشتمل کتاب کی صورت میں شائع ہوا) اور پھر اپنی تمام تر ’’بے کسی‘‘ کے علم الرغم ماچھی گوٹھ کے سٹیج سے مسلسل تین گھنٹے تک

مولانا مودودی کی بعد از تقسیم ہند پالیسی پر تنقید کی ''ناکام'' کوشش بھی کی تھی۔ تیسرے نمبر پر مولانا امین احسن اصلاحی تھے' جو اگرچہ بقول شورش کاشمیری مرحوم مولانا مودودی کے ''اینجلز'' بھی تھے اور ''حکیم نورالدین'' بھی' اور اس اعتبار سے تو بلاشبہ مولانا مودودی کے بعد جماعت اسلامی پاکستان کی نمایاں ترین شخصیت تھے' لیکن اس جائزے میں انہیں تیسرے نمبر پر اس لیے رکھا جا رہا ہے کہ اگرچہ انہیں فی الجملہ سعید ملک صاحب کی باتوں سے بھی اتفاق تھا—اور میرے تجزیے سے بھی وہ بہت حد تک متفق تھے' لیکن انہوں نے اپنی علیحدگی کی اصل اساس ان اُمور کو نہیں بلکہ صرف اس بات کو بنایا تھا کہ ان کے نزدیک مولانا مودودی نے شخصی طور پر ''آمرانہ'' روش اختیار کر لی تھی اور جماعت کا نیا دستور بھی ''شورائیت'' کی بجائے ''آمریت'' پر اُستوار کر لیا تھا۔ تاہم علیحدگی کے موقع پر جو خط و کتابت ان اعاظم رجال کے مابین ہوئی وہ اس اعتبار سے حیرت انگیز بھی ہے اور عبرت آموز بھی کہ مسلسل سترہ سال تک یک جان دو قالب رہنے والے انسانوں کے مابین دفعتہً غیظ و غضب' بدگمانی و بداعتمادی اور طنز و استہزاء کی ایسی گھمبیر فضا کیسے پیدا ہو گئی۔ (یہ خط و کتابت میری تالیف: ''تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب'' میں من و عن درج ہے۔)

کیفیت و نوعیت کے اعتبار سے تو اس سے ملتی جلتی' لیکن کمیت کے اعتبار سے کہیں زیادہ عبرتناک مثال نعیم صدیقی صاحب کی ''تحریک اسلامی'' کے حالیہ بحران میں سامنے آئی ہے' کہ اپریل ۱۹۹۵ء میں جس شخص کو تقریباً بالاتفاق ''امیر'' چنا گیا تھا' اوّل تو چند ہی مہینوں کے اندر اندر خود اُسے اپنے قریب ترین ساتھیوں میں نجویٰ اور سازش کی بو آنے لگی اور وہ محسوس کرنے لگے کہ انہیں محض ''درشنی پہلوان'' کی حیثیت دے کر کچھ ہوشیار لوگوں نے سارے اختیارات خود سنبھال لیے ہیں' اور ان کے ردعمل میں ان کے قریبی ساتھیوں کے جو خطوط پندرہ روزہ ''نشور'' میں شائع ہوئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی محبوب ترین اور معتمد ترین شخصیت چند ماہ کے اندر اندر ''ارذل العمر'' کو بھی پہنچ گئی اور ''مطلق العنانی'' کے ''فراق'' میں عقل و منطق اور عدل و انصاف کی جملہ حدود کو بھی پھلانگ گئی! نتیجتاً دیکھتے ہی دیکھتے ایک جانب امیر نے مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ دونوں کو معزول کر دیا تو دوسری جانب شوریٰ نے امیر کو معزول کر کے نئے امیر کا انتخاب کرا لیا۔ گویا وہ سب کچھ جو بالعموم مساجد کی انتظامی کمیٹیوں' سماجی انجمنوں اور دیگر مذہبی و

سیاسی جماعتوں میں ہوتا رہتا ہے ''تحریک اسلامی'' میں بھی ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ع ''چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی!''

ہمیں نہ مولانا مودودی کے خلوص و اخلاص میں شبہ تھا' نہ مولانا اصلاحی کے۔ اسی طرح اب نہ جناب نعیم صدیقی کے اخلاص میں کوئی شک ہے نہ ان کے سابقہ اہم رفقاء کے۔ بلکہ اُس وقت تو چونکہ راقم خود بھی ع ''کون طوفاں کے تھپیڑے کھا رہا ہے؟ مَیں کہ تُو!'' کے مصداق ''بحران'' کے تھپیڑے کھا رہا تھا' لہٰذا اس کے جذبات میں صدمے کے ساتھ ساتھ غصے کی آمیزش بھی تھی—اب تو اس حالیہ بحران میں کسی بھی جانب سے شریک یا ملوث نہ ہونے کے باعث متذکرہ بالا صورتحال پر رنج و افسوس کے سوا کوئی ردّعمل نہیں ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ میں نے تو اگست ۱۹۹۵ء کی تقریر میں بڑے شدّ و مد کے ساتھ جماعت اسلامی' تنظیم اسلامی اور تحریک اسلامی کے مابین ''وفاق'' کے قیام کی تجویز پیش کی تھی اور کسی مثبت ردّعمل کا منتظر تھا (خصوصاً اس لیے کہ ایک جانب دو سو میل شمال سے پروفیسر خورشید احمد صاحب کے ادارے سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''دینی صحافت'' سے حوصلہ افزا تبصرہ موصول ہوا تھا تو دوسری جانب دو ہزار میل جنوب میں واقع بنگلور سے شائع ہونے والے ماہنامے ''ینگ مسلم ڈائجسٹ'' نے بھی پذیرائی کی تھی!) لیکن ع ''مادر چہ خیالیم و فلک در چہ خیال!'' کے مصداق ابھی ''کثرت میں وحدت'' کی شان کا کسی ادنیٰ درجہ میں بھی ظہور نہیں ہوا تھا کہ ع ''خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے!'' کے مصداق تفرقہ و تقسیم کا عمل ایک قدم اور آگے بڑھ گیا اور ''تحریک اسلامی'' خود دولخت ہو گئی!

راقم کے نزدیک اس حادثۂ فاجعہ کا یہ پہلو اہم تر اور قابلِ توجّہ ہے کہ چونکہ ابھی پالیسی یا طریقہ کار کے ضمن میں تو کسی اختلافِ رائے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا' لہٰذا نزاع کی کل بنیاد تنظیمی ڈھانچہ یا دستوری خاکہ —— اور اس کے ضمن میں بھی یہ اہم اور اساسی مسئلہ ہے کہ اختیارات کے اعتبار سے زیادہ بھاری پلڑا ''امیر'' کا ہو یا ''شوریٰ'' کا؟ چنانچہ اس موقع پر جناب نعیم صدیقی نے جو باتیں کہی ہیں ان میں سے اہم ترین یہی ہے کہ کچھ لوگوں نے سازش اور ریشہ دوانی کے ذریعے ایک ''غیر اسلامی'' دستور بنوا لیا۔ جس سے ان کی مراد غالباً یہی ہے کہ اس کی رُو سے مجلس شوریٰ کے مقابلے میں ''امیر'' بالکل بے دست و پا بنا دیا گیا ہے۔ اور یہ وہ مسئلہ ہے جس پر اب سے ٹھیک پچاس سال قبل ۱۹۴۶ء میں غیر منقسم ہندوستان کی جماعت

اسلامی کے کُل ہند اجتماع منعقدہ الٰہ آباد میں بھی شدید اختلافِ رائے سامنے آیا تھا۔ یعنی جبکہ مولانا مودودی مرحوم اس کے قائل یا مدّعی تھے کہ اسلامی نظم جماعت میں اصل اختیار ''امیر'' کو حاصل ہوتا ہے جو مجلس شوریٰ کی اکثریت کی رائے کو ''ویٹو'' کر سکتا ہے' مولانا اصلاحی اس پر جازم تھے کہ امیر کو شوریٰ کی اکثریت کے ''تابع'' ہونا ضروری ہے۔ جس پر اُس وقت تو مولانا مودودی نے ''حکمتِ عملی'' کے تحت کسی قدر گھٹنے ٹیک دیے تھے اور ایک پیچ در پیچ ''مصالحتی فارمولا'' قبول کر لیا تھا' لیکن دس سال بعد ان کا اصل ذہن پہلے تو اجتماع ماچھی گوٹھ کے موقع پر بقول مولانا اصلاحی ''خلوتیانِ خاص'' کی محفل میں اور پھر بھرپور طور پر کوٹ شیر سنگھ کے اجلاسِ شوریٰ میں سامنے آیا' جس کے نتیجے میں جماعت کے دستور میں پورا اختیار امیر کے ہاتھ میں مرکوز کر دیا گیا۔ جس پر مولانا اصلاحی یہ کہتے ہوئے جماعت سے رخصت ہو گئے کہ مولانا مودودی نے وہ بلّی دوبارہ تھیلے سے نکال لی ہے جسے وہ اپنی دانست میں ''گربہ کشتن روزِ اوّل'' کے مصداق ۱۹۴۶ء ہی میں مار چکے تھے۔ (ان تمام تفاصیل کے لیے دیکھئے میری تالیف: ''تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب'')

بعد میں یہ دستور مولانا مودودی کی زندگی تک تو بالکل ٹھیک کام کرتا رہا' اس لیے کہ وہ تحریک اسلامی کے داعیٔ اوّل بھی تھے اور جماعت اسلامی کے مؤسس بھی' پھر میاں طفیل محمد صاحب کے دورِ امارت میں بھی اس بنا پر چلتا رہا کہ جماعت کے ارکان کی اکثریت' صحیح یا غلط طور پر' یہ سمجھتی رہی کہ وہ مولانا مودودی کے ''معتمد ترین'' شخص ہیں' لیکن جیسے ہی قاضی حسین احمد ''سریر آرائے امارت'' ہوئے جماعت کے سوچنے سمجھنے والے لوگوں کی اکثریت ''الامان'' اور ''الحفیظ'' پکار اٹھی — چنانچہ یہ اسی کے ردّعمل کا مظہر ہے کہ ''نومولود تحریک اسلامی'' نے اپنے اساسی دستور میں بالکل برعکس رخ اختیار کر لیا اور ''امیر'' کو بالفعل ''صدر'' کی حیثیت دے دی!

بہرحال چونکہ ابھی تحریک اقامتِ دین کو بہت طویل سفر طے' اور نہایت کٹھن مرحلے سر کرنے ہیں' ضروری ہے کہ ''عظیم تر تحریک اسلامی'' سے عملی یا ذہنی وابستگی رکھنے والا ہر شخص اس اہم اور اساسی مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کرے۔ اور خاص طور پر چونکہ ۱۱۔۱۲/اپریل کو ''تحریک اسلامی'' کے نعیم صدیقی صاحب سے باغی دھڑے کا اجتماع ہونے والا ہے' مناسب ہوگا کہ اس کے اربابِ حل وعقد اس معاملے میں راقم کی معروضات پر بھی غور فرمالیں' جو خالصتاً

اقامتِ دین کے عظیم تر مقصد اور تمام تر نصح وخیر خواہی کے جذبہ سے پیش کی جا رہی ہیں۔

تاہم اس سے قبل کہ اس معاملے میں اپنی رائے پیش کی جائے' مناسب ہے کہ اس خط کا اقتباس سامنے آ جائے جو راقم نے ۲۲/جنوری ۱۹۹۵ء مطابق یکم رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ کو نعیم صدیقی صاحب کی خدمت میں ارسال کیا تھا:

> ''کل آپ سے حاضری کی اجازت حاصل کر کے گاڑی کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ تین گاڑیوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں۔ Taxi بھی فوری طور پر نہ مل سکی۔ اور بعد میں پے بہ پے ایسی مصروفیات نکل آئیں کہ حاضری نہ ہو سکی — اب کل علی الصبح امریکہ کے لیے روانگی ہے' لہٰذا عریضہ ہذا کے ذریعے ہی حاضر ہوں!
>
> اگرچہ میرا یہ مقام ہرگز نہیں کہ میں آپ کو کوئی مشورہ دے سکوں' لیکن حدیث نبویؐ ''الدینُ النصیحۃُ'' کی رو سے اپنا فرض ادا کرتے ہوئے دو درخواستیں پیش خدمت ہیں:
>
> ایک یہ کہ آپ تحریک اسلامی کے تنظیمی قضیہ سے اپنے آپ کو بالکل علیحدہ کر کے' صرف تصنیف وتالیف کے کام میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مشغول ہو جائیں۔ اس وقت جو صورت بن گئی ہے اس سے جگ ہنسائی تو ہو ہی رہی ہے — ''بعد از خرابیٔ بسیار'' بھی کسی خیر کی کوئی امید نہیں ہے — اور اس سے لامحالہ ''عظیم تر تحریک اسلامی'' کو بہت گزند پہنچے گا۔ مجھے خوب اندازہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں جب ایک بار ''پیچ پڑ جائے'' یا ''سینگ پھنس جائیں'' تو اس سے باہر نکلنا بہت مشکل اور بہت بڑے ایثارِ ذات ہی کے ساتھ ممکن ہے' تاہم میری مخلصانہ درخواست یہی ہے کہ آپ یہ کڑوا گھونٹ بھر لیں — آپ کو بخوبی اندازہ ہوگا کہ میری ساری نیازمندی آپ کی ذات سے ہے۔ دوسری طرف جلیل خان صاحب ہوں یا کوئی اور' میری تو ان سے پہلی ملاقات بھی آپ ہی کے واسطے سے ہوئی ہے۔ اور اگرچہ اب میرا کوئی تنظیمی یا جماعتی تعلق نہ جماعت اسلامی سے ہے نہ تحریک اسلامی سے' تاہم مجھے عظیم تر تحریک اسلامی کی عزّت اور نیک نامی بھی عزیز ہے کہ اس کی رہی سہی اور بچی کھچی پونجی بھی ختم نہ ہو جائے — اور اللہ گواہ ہے کہ ذاتی طور پر آپ کی عزّت اور وقار کا بھی تہہ دل سے خیال ہے —''

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ — ''اقامتِ دین'' کی جِدّوجُہد کے لیے قائم ہونے والی تنظیم یا جماعت کے تنظیمی ڈھانچے کے مسئلے پر راقم نے ۵۷۔۱۹۵۶ء ہی سے غور کرنا شروع کر دیا تھا' اور بحمدِ اللہ راقم کی ایک رائے بھی اواخر ۱۹۵۸ء ہی میں بن گئی تھی' اگرچہ اس پر عمل کا

آغاز لگ بھگ بیس سال بعد ۱۹۷۷ء میں ہوا۔ اور درمیانی عرصے میں راقم متبادل صورتوں پر بھی عمل کے لیے ذہناً وقلباً پوری طرح آمادہ رہا۔

راقم کی وہ رائے جو اَب مزید تقریباً بیس سال گزرنے کے بعد کافی بڑے حلقے میں معلوم و معروف ہے' یہ ہے کہ —— اگرچہ عہدِ حاضر کے جملہ جمہوری و دستوری نظام ہائے جماعت بھی شریعت کی رو سے حرام یا ممنوع نہیں' بلکہ اصلاً مباح ہیں۔ (یہاں تک کہ ایک دستور کے ساتھ ''حلف وفاداری'' بھی ایک طرح کی دستوری ''بیعت'' ہی ہے!) تاہم واحد منصوص ومسنون و ماثور طریقہ ''شخصی بیعت'' کا ہے!—— مزید برآں یہی کسی انقلابی جِدّوجُہد کے لیے عقل ومنطق کی رو سے بھی زیادہ درست اور مفید تر ہے!

تاہم زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ دونوں طریقے ایک دوسرے سے بالکل متمیز بلکہ متضاد ہیں جن میں سے بالکل ''یا چناں کن یا چنیں'' کے مصداق کسی ایک کو بتمام وکمال قبول کر لینا چاہیے۔ اصل خرابی ان دونوں کے مابین ''پیوند کاری'' سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اصلاً ایسی پیوند کاری ہی کے نتیجے میں جماعت اسلامی اپنے ۵۷۔۱۹۵۶ء والے شدید ترین بحران سے دوچار ہوئی تھی اور اسی کے باعث اب نوزائیدہ ''تحریک اسلامی'' اپنے حالیہ بحران کا شکار ہوئی ہے اور دونوں مواقع پر تلخی' تندی' تیزی' جھنجھلاہٹ اور ان سب سے بھی بڑھ کر ایک دوسرے کی نیتوں تک پر حملے کی مکروہ ترین صورتیں پیدا ہوئی ہیں۔

شخصی بیعت کا نظام کسی ایک ''داعی'' کی ذات سے شروع ہوتا ہے' جو پہلے انبیاءِ معصومین ہوا کرتے تھے' اور ختم نبوت کے بعد غیر نبی اور غیر معصوم انسان ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ داعی سامنے آتا ہے' اپنے خیالات ونظریات کی اشاعت کرتا ہے' اور اپنے ہدف اور طریق کار کی بھی وضاحت کرتا ہے اور پھر ''مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ'' کی صدا بلند کرتا ہے۔ پھر جو شخص اس سے فی الجملہ متفق بھی ہو اور اس کے خلوص واخلاص پر اعتماد بھی کرتا ہو وہ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس کا ''ساتھی'' بن جاتا ہے۔ اور اپنے ''سمع وبصر وفواد'' سے صرف یہ دو کام لیتا ہوا اس کی اطاعت پر کاربند رہتا ہے کہ اوّلاً مقدور بھر خود بھی غور وفکر کرتا رہے اور پیش آمدہ مسائل ومراحل کے ضمن میں اپنی رائے بھرپور طور پر پیش کرتا رہے' اس سے بالکلیہ قطع نظر کہ وہ قبول کی جائے یا ردّ کر دی جائے! اور ثانیاً یہ دیکھتا رہے کہ ''داعی'' جواَب ''امیر'' کی حیثیت رکھتا ہے' کہیں

کتاب وسُنّت کی حدود سے تجاوز نہ کر جائے! گویا کتاب وسُنّت کے دائرے کے اندر اندر اس امیر کی حیثیت ''آمر'' کی ہے۔ (واضح رہے کہ عربی قواعد کی رو سے ''آمر'' اسم فاعل ہے جس میں ایک طرح کا عارضی پن شامل ہوتا ہے' جبکہ ''امیر'' صفتِ مشبّہ ہے جس میں دوام واستمرار کا رنگ پایا جاتا ہے!)—— اس طرح یہ جماعت اوپر سے نیچے کی طرف بڑھتی ہے' اور اس میں نہ کبھی امیر کا انتخاب ہوتا ہے نہ ہی کبھی فیصلوں کے لیے آراء کی گنتی کی جاتی ہے —— مزید برآں' اس نظامِ جماعت میں مناصب کے لیے ''امیدواری'' بھی نہایت ناپسندیدہ شے ہے۔ رہی کنویسنگ' نجویٰ اور گروہ بندی تو وہ تو گناہ کبیرہ کے درجہ میں شمار ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس مغرب نے ریاست اور جماعت کے لیے جو جمہوری اور دستوری نظام صدیوں کے عمرانی ارتقاء کے نتیجے میں develope کیا ہے وہ نیچے سے اوپر کی طرف چلتا ہے۔ چنانچہ اس کی اساس ''شہریت'' یا ''رکنیت'' پر ہے' اور اوپر کے جملہ مناصب درجہ بدرجہ ''انتخابات'' کے ذریعے وجود میں آتے ہیں۔ پھر ہر سطح پر منصب داروں یا عہدیداروں پر Checks and Balances کا پورا اہتمام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مجالس منتظمہ یا مجالس قانون ساز یا مجالس مشاورت بھی انتخابات ہی کے ذریعے وجود میں آتی ہے اور پھر عہدیداروں اور ان مجالس کے مابین تقسیم اختیارات کے پیچ در پیچ فارمولے بنائے جاتے ہیں۔ اور اگر ''صدور'' کے اختیارات غالب ہوں تو وہ نظام ''صدارتی'' بن جاتا ہے اور اس کے برعکس اگر مجالس کی کثرتِ رائے صدور پر ''حاکم'' اور ''لازم'' بن جائے تو اسے ''پارلیمانی'' کہا جا سکتا ہے —— بہرحال اس نظام میں سربراہ ''صدر'' کہلاتے ہیں ''امیر'' نہیں!

لیکن اہم تر معاملہ یہ ہے کہ اس نظام میں کھلم کھلا امیدواری اور کنویسنگ اور اعلانیہ دھڑے بندیاں اور بلاک سازیاں اجزائے لاینفک کی حیثیت رکھتی ہیں اور ہرگز نہ معیوب ہیں نہ غیر مستحسن' بلکہ Checks and Balances کا پورا نظام بنتا ہی ان کی بنا پر ہے۔ چنانچہ حال ہی میں لاہور میں امریکہ کے کونسلیٹ سے منسلک کلچرل اٹیچی مسٹر مہونی ملاقات کے لیے تشریف لائے اور ان سے عہد حاضر میں نظامِ خلافت کے دستوری ڈھانچے کے موضوع پر مفصل گفتگو ہوئی تو انہوں نے صاف فرمایا کہ ہمارا تو سارا نظام تعمیر ہی اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ ہر شخص چور اور بے ایمان ہے اور دستوری اور قانونی ڈھانچہ ایسا ہونا چاہیے کہ اس کے ذریعے چوری اور

بے ایمانی کو کم سے کم کیا جا سکے!

بیسویں صدی عیسوی کے دوران ہندوستان کے ہندوؤں نے دو عظیم جماعتیں قائم کیں۔ ایک خالص سیاسی یعنی انڈین نیشنل کانگریس جو صد فی صد جمہوری اور دستوری تھی۔ چنانچہ اس میں امیدواریاں بھی ہوتی تھیں اور کنوینسنگ بھی۔ گویا الیکشن باقاعدہ ''لڑے'' جاتے تھے۔ مزید برآں دھڑے بھی کھلم کھلا بنتے تھے اور بلاک بھی اعلانیہ بنائے جاتے تھے اور ان کے مابین رسہ کشی بھی برملا ہوتی تھی۔ ان ہی کیفیات کے ساتھ اس جماعت نے آزادی کی جِدّوجُہد میں بھی اپنا کردار ادا کیا' اور پھر آزادی کے بعد بھی اب تک یہ جماعت بھارت کی حکومت چلا رہی ہے۔ اس جماعت نے ہمیشہ ایک خالص مغربی انداز کی سیاسی پارٹی کا رول ادا کیا اور اپنے جملہ امور کی گاڑی کو ہمیشہ دستور کی پٹری ہی پر چلایا۔ تاہم واضح رہے کہ جِدّوجُہد آزادی (یا جہاد حریت) کے دوران جب بھی کبھی ''راست اقدام'' کا مرحلہ آتا تھا تو یہ اپنے صحیفۂ دستور کو بند کر کے رکھ دیا کرتی تھی اور یکے بعد دیگرے ''ڈکٹیٹر'' نامزد کر دیے جاتے تھے۔ اس لیے کہ ''تحریک'' چلانے کے لیے یہ شے ناگزیر برائی کا درجہ رکھتی ہے۔

اس کے برعکس معاملہ ہے مذہبی اور احیائی جماعت ''آر ایس ایس'' کا' کہ اس کا سربراہ ''صدر'' نہیں ''گورو'' ہوتا ہے' جو منتخب نہیں ہوتا بلکہ سابق گورو کا نامزد کردہ ہوتا ہے' جو اسے اپنے دورِ سربراہی ہی میں نامزد کر کے زیر تربیت رکھتا ہے' جو اس کے انتقال پر ''تاحیات خلیفہ'' بن جاتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۹۵ء تک ستّر سالوں میں اس کے داعی اور مؤسس کے بعد دو گورو تو سابق گوروؤں کے انتقال ہی پر گورو بنے' البتہ اب چوتھے گورو کو تیسرے ہی نے خود نامزد کر کے اپنی علالت کے باعث اپنی زندگی ہی میں سربراہی سونپ دی ہے۔

اس جماعت کی وسعت اور قوت کا عالم یہ ہے کہ اب سے دس برس قبل اس پر ایک کتاب شکاگو سے ''Brotherhood in Saffron'' کے نام سے شائع ہوئی تھی تو اس میں اس کے تربیت یافتہ والنٹیرز کی تعداد پچیس لاکھ بتائی گئی تھی۔ (اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ گزشتہ دس سالوں کے دوران بات کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی ہوگی!) اور اس کے نظم وضبط اور ڈسپلن کی پابندی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اجودھیا کی مسجد کو شہید کرنے کے لیے تین

لاکھ والنٹیرز ہندوستان کے کونے کونے سے اجودھیا پہنچے' لیکن اس سفر کے دوران پورے ہندوستان میں ''مسلم کش فساد'' تو درکنار کسی مسلمان کی نکسیر بھی نہیں پھوٹی۔ چنانچہ وہ لوگ پورے امن وضبط کے ساتھ گئے' اپنا کام پورا کیا اور اسی امن اور نظم وضبط کے ساتھ گھروں کو لوٹ گئے — چھ ہزار کے لگ بھگ مسلمان بعد میں اُس وقت ہلاک ہوئے جب انہوں نے ''احتجاجی'' تحریک میں توڑ پھوڑ کی اور پولیس نے انہیں بھون کر رکھ دیا — اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت پر بھی نگاہ رہے کہ اس جماعت نے اس قدر قوت ووسعت کے باوجود ملکی انتخابات میں کبھی براہ راست حصّہ نہیں لیا' بلکہ پہلے ۱۹۵۱ء میں ''جن سنگھ'' کو اپنا پولیٹیکل فرنٹ قرار دیا اور پھر ۱۹۸۰ء سے ''بی جے پی'' یہ رول ادا کر رہی ہے' جس کے نہایت عسکری بازو (Militant Wings) وشوا ہندو پریشد (V.H.P) اور شیوسینا ہیں! گویا معاملہ اس اعتبار سے بھی کانگریس کے برعکس ہوا۔ یعنی کانگریس نے جب تحریک چلائی تو دستور کو تہہ کر کے رکھ دیا اور ''آمریت'' اختیار کر لی اور آر ایس ایس نے سیاست میں حصّہ لیا تو ''گوروؤں'' والے نظام سے بالکل علیحدہ دستوری اور جمہوری بساط بچھالی۔

اس کے برعکس حال ہمارا رہا کہ جماعت اسلامی نے سیاست میں حصہ لینا چاہا تو بھی اپنی کڑی ''شرائط رکنیت'' کو برقرار رکھتے ہوئے' اور انتخابات میں حصہ لینا چاہا تو بھی ابتداءً امیدواری اور پارٹی ٹکٹ کو حرام قرار دیتے ہوئے — چنانچہ نہایت مایوس کن صورت حال سے سابقہ پیش آیا۔ اور پھر اس کے بعد سے آج تک ''تنزل'' کے ضمن میں مسابقت کی دوڑ لگی ہوئی ہے کہ اِدھر جماعت اپنے معیارات کو ایک قدم نیچے لاتی ہے تو اُدھر معاشرہ اخلاقی اعتبار سے دو قدم اور نیچے اتر جاتا ہے اور جماعت کے ہاتھ میں ہر بار بھاگتے چور کی لنگوٹی تک نہیں آ پاتی۔ دوسری طرف نومولود ''تحریک اسلامی'' ہے جو تاحال ''امارت'' اور ''شورائیت'' کی بحثوں میں غلطاں وپیچاں ہے! کاش کہ جماعت اور تحریک' دونوں کے اصحابِ فکر ونظر اور اربابِ حل وعقد ہماری ان گزارشات پر غور کر سکیں —!

پھر ان میں سے بھی جہاں تک جماعت اسلامی کی ''قیادت'' کا تعلق ہے' وہ تو چونکہ بہت اونچی ہواؤں میں اڑنے کی عادی ہے' لہٰذا اس تک تو شاید ہماری یہ گزارشات پہنچ بھی نہ پائیں۔

البتہ تحریک اسلامی چونکہ ابھی ہماری ہی طرح ''خاک نشین'' ہے' لہٰذا بعید نہیں کہ اس کے ذمہ داران حضرات ان گزارشات پر غور گوارا کرلیں کہ:

❁ اگر تو ''عظیم تر'' تحریک اسلامی سے علیحدگی اختیار کرنے والے یا خارج کیے جانے والے بعض دوسرے حضرات کے مانند اب جناب نعیم صدیقی صاحب سے علیحدہ ہونے والے احباب کا اصل مطمحِ نظر بھی صرف دعوتی وتبلیغی یا علمی وتعلیمی یا رفاہی واصلاحی ہے'

❁ یا ان کے پیش نظر بھی اصلاً ملکی سیاست ہی کے اکھاڑے میں اترنا ہے' خواہ براہ راست خود انتخابات میں حصّہ لے کر خواہ کسی سیاسی دھڑے کو تقویت پہنچا کر ـــــ

تب تو دستوری وجمہوری نظام ہی درست ہے' اور اس کے ضمن میں جس طرح انہوں نے جماعت میں شمولیت کی شرائط میں نرمی کر دی ہے (چنانچہ اب ایسے حضرات بھی اس کے رکن ہی نہیں شوریٰ تک میں شامل ہیں جو اپنے کاروبار کے ضمن میں بینک سے سودی قرضے لینے اور انکم ٹیکس کے ضمن میں اخفاء یا غلط بیانی پر مجبور ہیں' بنابریں اس سے قبل جماعت اسلامی کی رکنیت حاصل نہیں کر سکتے تھے) اسی طرح اختلافِ رائے اور اس کے اظہار ہی کے لیے نہیں بلکہ اپنی رائے کو تقویت پہنچانے کے لیے اعلانیہ اور انفرادی سطح پر یا گروپوں کی صورت میں گفتگوؤں' اور پھر باضابطہ انتخابات میں اپنے ہم خیال لوگوں کے لیے رائے ہموار کرنے کی کوششوں کے ضمن میں بھی اپنے سابقہ معیارات میں نرمی اور تخفیف پیدا کیجیے۔

❁ اور اگر اصل ہدف ''اقامتِ دین'' کے لیے وہ انقلابی جِدّوجُہد ہے جس کے ابتدائی مراحل کا نقشہ مولانا مودودی مرحوم نے ۱۹۴۰ء میں ''اسلامی حکومت کیسے قائم ہوتی ہے!'' نامی خطاب میں پیش کیا تھا اور جس کے آخری مراحل میں لازماً شدید تصادم اور ٹکراؤ اور جان کی بازی لگانا ناگزیر ہوگا تو اس صورت میں ابھی سے ''بیعت شخصی'' ہی کے خالص دینی نظام کو اختیار کر لیجیے تاکہ نفوس ابھی سے ''فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ وَعَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا'' - ''سمع و طاعت فی المعروف'' کے ضمن میں ایثارِ ذات اور ایثارِ رائے کے عادی اور خوگر ہو جائیں ـــــ اس ضمن میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا آپ کے پاس کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کے خلوص واخلاص اور اصابتِ رائے پر اتنا اعتماد کیا جا سکے کہ ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دیے جائیں اور وہ جملہ ساتھیوں کے بہترین مشوروں سے استفادہ کرتے ہوئے اطمینان کے ساتھ

جماعت کے کام کو آگے بڑھا سکے!

دوسری جانب جناب نعیم صدیقی صاحب کا ساتھ دینے والے احباب اب اگر امیر کے ہاتھ میں فیصلہ کن اختیار دینے کے حق میں ہیں تو ان سے گزارش ہے کہ پھر سیدھے اور سادے طریقے پر ان کے ہاتھ پر ''بیعت'' ہی کر لیں۔ اس لیے کہ اگر امیر جماعت شوریٰ کی اکثریت کی رائے کو ویٹو کر دینے کا مجاز ہو (جیسا کہ مولانا مودودی مرحوم کا خیال تھا) تو خواہ مخواہ لمبے چوڑے دستوری کھکھیڑ میں پڑنے کی آخر کیا ضرورت ہے' جبکہ حیدرآباد دکن کے مولانا محمد یونس کی مرتب کردہ کتاب ''خطوط کے چراغ'' میں مولانا مودودی مرحوم کا جو خط مارچ ۱۹۴۱ء کا شامل ہے' اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کا اپنا ذہن واضح طور پر شخصی بیعت کے منصوص' مسنون اور ماثور طریقے ہی کی جانب زیادہ رجحان رکھتا تھا۔ (مولانا مرحوم کا یہ خط اس مضمون کے آخر پر دیکھا جا سکتا ہے!)

اور آخری گزارش یہ کہ بیعت خواہ شخصی ہو یا دستوری' دونوں ہی صورتوں میں اگر انتخابات میں حصہ لینے کے ضمن میں میری مولانا مودودی مرحوم ہی کی ۱۹۴۵ء کی تحریر پر مبنی اس تجویز کو قبول کر لیا جائے جو میں نے اگست ۱۹۵۱ء کی تقریر میں پیش کی تھی اور ''میثاق'' کے اکتوبر ۱۹۹۵ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی تو میں اپنی تنظیم کی جانب سے آپ کے دونوں دھڑوں کے ساتھ ''وفاق'' کی صورت اختیار کرنے کے لیے تیار ہوں' تاکہ تقسیم در تقسیم اور تفرقہ وانتشار کا عمل کہیں تو رک کر ع ''دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایّام تُو!'' کے مصداق ''توفیق ووفاق'' اور ''توحید واتحاد'' کی جانب رخ کر سکے ـــ وَمَا عَلَینَا اِلَّا البَلاغ!

عن الحارث الاشعری رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْل اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم:

((وَاَنَا آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ، اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ : بِالْجَمَاعَۃِ ، وَالسَّمْعِ ، وَالطَّاعَۃِ ، وَالْھِجْرَۃِ ، وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ))

(رواہ احمد والترمذی)

مکتوب گرامی مولانا مودودی مرحوم ومغفور

بنام مولانا محمد یونس، حیدرآباد دکن، مارچ ۱۹۴۱ء

محترمی ومکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اصطلاح میں بیعت سے مراد اطاعت اور پیروی کا اقرار ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وہ بیعت جو کسی خاص موقع پر کسی خاص معاملہ کے لیے ہو۔ جیسے بیعت الرضوان تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ مکّہ سے جنگ کا ارادہ فرمایا اور اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس امر پر بیعت لی کہ وہ پیش آمدہ مہم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جانفروشی کریں گے۔

(۲) دوسری وہ بیعت جو تزکیۂ نفس اور اصلاحِ اخلاق وروحانیت کی نیت سے ایک مرشد و معلّم اُس شخص سے لیتا ہے جو اُس کے پاس تربیت حاصل کرنے کے لیے آئے۔ یہ وہ بیعت ہے جو بالعموم ہر شخص کو کرنی پڑتی تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لاتا تھا۔ آپؐ اس سے اقرار کراتے تھے کہ شرک، زنا، چوری وغیرہ سے پرہیز کرے گا اور جو احکام خداوند تعالیٰ کی طرف سے آپؐ پہنچائیں گے ان کی اطاعت کرے گا۔ اس بیعت کے لینے کا حق یا تو نبیؐ کو پہنچتا ہے یا اُس شخص کو جو نبیؐ کے طریقہ پر ہو۔ یعنی طریقہ نبویؐ کا صحیح علم بھی رکھتا ہو، اس پر خود بھی عامل ہو اور بیعت لینے سے اصلاح وارشاد کے سوا قطعاً دوسری نیت نہ رکھتا ہو۔

(۳) تیسری بیعت وہ ہے جو جماعت اسلامی کے امیر یا امام کے ہاتھ پر کی جاتی ہے اور اس کی نوعیت یہ ہے کہ جب تک امیر یا امام اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطیع ہے اس وقت تک جماعت اسلامی کے تمام ارکان پر اس کی اطاعت فرض ہے۔

((مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً)) اور دوسری تمام احادیث میں جس بیعت کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے ان میں بیعت سے مراد تیسری بیعت ہے، کیونکہ اس پر جماعت اسلامی کی زندگی اور اس کے نظم کا قیام منحصر ہے۔ اس سے الگ ہونے یا الگ رہنے کے معنی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کام کے لیے تشریف لائے تھے اور جس امر عظیم کا بار اُمّت پر چھوڑ گئے ہیں اس کو نقصان پہنچایا جائے یا ختم کر دیا جائے۔

اقامتِ دین: اُمّتِ مُسلمہ کا فریضہ

حق نواز اصلاحی

اللہ تعالیٰ حکیم ذات ہے اور وہ جو بھی کرتا ہے حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جِنّوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾﴾ (الذّٰریٰت)

''میں نے انسانوں اور جِنّوں کو صرف اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔''

عبادت کا معنی اپنی وسعت کے ساتھ تمام شعبہ ہائے زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی سُنّت پر عمل پیرا ہونا ہے۔ چنانچہ عقائد ہوں یا عبادات' اخلاق ہوں یا معاملات' نجی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی' معاشرت ہو یا سیاست' ان تمام شعبہ ہائے زندگی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی جائے' اسی کا نام عبادت ہے۔

اگر عبادت کا معنی صرف اور صرف نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج لیا جائے تو پھر اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ انسان بس یا تو نماز میں مصروف رہے گا' یا ہمیشہ روزہ رکھے گا' یا زکوٰۃ دیتا رہے گا' یا حج بیت اللہ میں مصروف ہوگا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے انسان اور جن صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیے ہیں' دوسری کسی چیز کے لیے نہیں۔ تو زندگی کی دوسری مصروفیات گویا دنیاوی ہو کر عبادت سے روگردانی ہوگی۔ اسی وجہ سے عبادت کو اپنے وسیع تر مفہوم میں لیا جائے تو اس میں زندگی کے تمام شعبے شامل ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ چونکہ انسان تھے اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی انسان تھے' ان کو بھی زندگی کی ان تمام راہوں پر چلنا پڑ چکا ہے' اس لیے زندگی کا جو شعبہ بھی دیکھ لیں' وہاں رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کی سُنّت موجود ہے۔

دین مکمل ہے!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

(المائدۃ:۳) ''میں نے آج تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کر دی''۔ اس آیت میں دین کی تکمیل کی بات کی گئی ہے۔ اگر کوئی بندہ ابھی بھی دین کو صرف عقائد اور عبادات یا کچھ خاص رسوم و روایات کے ساتھ خاص کر دیتا ہے تو اس آیت کا معنی کیا ہو کر رہ جائے گا؟ کیا یہاں سوال پیدا نہیں ہوگا کہ دین اگر مکمل ہے تو اس میں زندگی کے تمام شعبہ جات کے اصول کیوں نہیں؟ سیاست پھر اسلام سے خارج کیوں؟

دین میں پورے کے پورے شامل ہو کر اسے مکمل ضابطہ حیات سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اور اگر سوچا جائے تو اسلام کے جتنے دشمن ہیں' ان کی دشمنی اس وجہ سے نہیں کہ مسلمان عبادت کیوں کرتے ہیں؟ وہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ روزہ' زکوٰۃ اور حج بیت اللہ پر کیوں عمل پیرا ہیں؟ دشمنی وہ ''سیاسی اسلام'' کی کر جاتے ہیں۔ ''روحانی اسلام'' کے تو وہ حامی نظر آتے ہیں' کہ اسلام تو چند عقائد اور مراسمِ عبودیت کا نام ہے' اسلام کا سیاست سے کیا کام! رسول اللہ ﷺ کے چچا کے پاس قریش کے جرگہ نے آ کر کہا کہ اپنے بھتیجے کو کہو کہ اپنا کام کرتے جاؤ' لیکن ہمارے معاملات کو نہ چھیڑو۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس وقت ان سے اس پر مفاہمت نہیں کی' بلکہ کھل کر کہا کہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا کلمہ پڑھیں' کامیاب ہو جائیں گے' اور عرب کیا عجم بھی آپ کے تابع ہو جائیں گے''۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو یہ احساس دیا کہ دین اسلام عیسائیت اور یہودیت کی طرح کچھ خاص عقائد' عبادات اور رسومات کا نام نہیں' بلکہ پوری زندگی کے لیے اصول ہے' اور یہ غالب ہو کر رہے گا۔ ایک وقت آئے گا کہ روئے ارضی پر اسلام ہی کی حکومت ہوگی۔

سراقہ بن مالک کو رسول اللہ ﷺ نے اُس وقت کسریٰ کے کنگن کی بشارت سنائی تھی جب آپ ﷺ قوم کی بربریت اور ظلم سے تنگ آ کر ہجرت کر رہے تھے۔ یہ ایک بڑی خبر تھی' اس لیے سراقہ نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ کیا کسریٰ شہنشاہ ایران؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں شاہِ ایران! یہ بہت بڑی بات تھی' لیکن رسول اللہ ﷺ کا عزم جواں تھا' آپؐ پُرعزم تھے اور اپنے مقصد کے حصول میں مخلص تھے' اس لیے بغیر کسی جھجک کے اپنے ہدف کا تذکرہ فرمایا۔ غرض یہ کہ دین صرف کچھ رسومات کا نام نہیں' بلکہ مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس پر مکمل عمل پیرا ہونے کے لیے اس کو سیاسی طور پر غالب کرنا ضروری ہے۔

اقامتِ دین کا مفہوم

اقامتِ دین کی اصطلاح دو لفظوں کا مجموعہ ہے ''اقامت'' اور ''دین''۔ لفظ اقامت جب کسی معنوی چیز کے لیے استعمال ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے اس چیز کا پورا پورا حق ادا کرنا' متعلقہ کام پوری توجہ اور کامل اہتمام کے ساتھ بہترین شکل میں انجام دینا۔

امام راغب اصفہانی اس کا معنی کرتے ہیں: ''اقامة الشیء توفیته'' یعنی کسی شے کی اقامت کا معنی ہے اس کا پورا پورا حق ادا کرنا۔ اس آیت ﴿حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ کے تحت ''تُقِیْمُوْا'' کا معنی کیا ہے: ای توفون حقوقها بالعلم والعمل یعنی تم علم و عمل کے ذریعے اس کا پورا حق ادا کرو۔

دین: اصطلاح میں اللہ کی بندگی کا وہ طریقہ اور انسانی زندگی کا وہ نظام جو اللہ تعالیٰ کی جناب سے پیغمبر ﷺ کے ذریعہ اس کے بندوں کو عمل درآمد کے لیے دیا گیا ہے' جس کی تفصیلات اس کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سُنّت میں موجود ہیں۔

دین اطاعت کا نام ہے' بندگی کا نام ہے۔ ''الکشف والبیان'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا گیا ہے: ''الدّین الطّاعة'' (ج۵' ص۲۴۲) یعنی دین نام ہے اطاعت اور فرماں برداری کا۔ اور فرماں برداری و عبدیت کی پوری تشریح پہلے گزر چکی ہے کہ پوری زندگی میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت مقصود ہے' کسی خاص چیز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اس اُمّت کی خصوصیت

اُمّتِ محمد ﷺ ساری امتوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بہترین اُمّت کہا ہے اور اس کی وجہ بھی بتادی ہے: ﴿كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ﴾ (آلِ عمران:۱۱۰) ''تم بہترین اُمّت ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لیے نکالے گئے ہو' معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

یہاں اس اُمّت کے بہترین ہونے کی وجہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بتائی گئی ہے' اور یہ یہودیت کے مقابلے میں اس اُمّت کی خصوصیت ہے' کیونکہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم اور منکر سے

منع نہیں کرتے تھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ﴾ (المائدۃ:۷۹) ''وہ آپس میں ایک دوسرے کو ان بُرے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو وہ کیا کرتے تھے۔''

اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حکومت کا کام ہے' کیونکہ اس کے پاس قوت ہوتی ہے' جبکہ دوسرے لوگ وعظ و نصیحت تو کر سکتے ہیں لیکن نیکی کا حکم (order) اور گناہ سے منع (forbid) نہیں کر سکتے۔ اگر کرنے بھی لگ جائیں تو اس کا نتیجہ فساد اور بگاڑ ہوگا نہ کہ اصلاح۔ یہ کام حکومت کے ذریعے بالکل آسانی سے ممکن بھی ہے اور کسی بھی فساد اور بگاڑ کا خوف بھی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارک بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ فرمایا:

((مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ' فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ' فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ' وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِیمَانِ)) (صحیح مسلم)

''تم میں سے جو کوئی کسی منکر کو دیکھے تو (اگر طاقت ہو تو) اسے اپنے ہاتھ سے تبدیل کرے' اگر اس کی طاقت نہیں تو زبان سے' اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا مانے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

اس ضمن میں علماء کرام نے لکھا ہے کہ ہاتھ سے روکنا حکومتِ وقت کا کام ہے اور زبان سے وعظ و نصیحت علماء کا کام ہے۔ جب یہ روکنا حکومت کا کام ہے تو اس کے لیے صالح حکومت کے قیام کی بھی ضرورت ہے' کیونکہ جب حکومت خود نیک نہیں تو نیکی کا حکم اور بدی سے روکے گی کیسے؟

اقامتِ دین: انبیاء کا فریضہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ؕ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

''اُس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح (علیہ السلام) کو دیا' اور جسے (اے محمد ﷺ!) اب آپ کی طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دے چکے ہیں' (اس تاکید کے ساتھ) کہ قائم کرو اس دین کو اور آپس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔''

مولانا مودودیؒ نے اس کے تحت لکھا ہے کہ: ''دین کو شریعت کہنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کی حیثیت محض سفارش (recommendation) اور وعظ و نصیحت کی نہیں ہے' بلکہ یہ بندوں کے لیے ان کے مالک کا واجب الاطاعت قانون ہے' جس کی پیروی نہ کرنے کے معنی بغاوت کے ہیں' اور جو شخص اس کی پیروی نہیں کرتا وہ دراصل اللہ کی سیادت و حاکمیت اور اپنی بندگی کا انکار کرتا ہے۔'' (تفہیم القرآن)

کشاف اس کا معنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں'' والمراد :اقامة دین الاسلام الذی هو توحید الله وطاعته'' کہ اقامتِ دین سے مراد ہے کہ وہ الاسلام قائم کریں جو فی الحقیقت نام ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی اطاعت کا۔ اور اللہ تعالیٰ کو جس طرح خالقیت' مالکیت اور الوہیت میں یکتا ماننا ضروری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو حاکمیت میں بھی یکتا ماننا ضروری ہے اور حکم میں اس کے احکام کو معیار ماننا ضروری ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ (Sovereignty) اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ لہٰذا ریاست میں کسی فرد' پارٹی یا اشخاص کے اقتدارِ اعلیٰ کے بجائے دینِ اسلام کے تقاضے (یعنی حکومتِ الٰہیہ کے قیام) کو پورا کرنے کی سعی ضروری ہے۔

الکشف والبیان میں اس آیت کے تحت امام ثعلبیؒ نے لکھا ہے:''بعث الانبیاء کلّهم باقامة الدین والالفة والجماعة وترک الفرقة والمخالفة'' یعنی سارے کے سارے انبیاء دین کو قائم کرنے اور لوگوں میں اجتماعیت' الفت و محبّت کو قائم کرنے اور فرقہ واریت اور مخالفتوں کو ختم کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے اغراض و مقاصد میں یہ ایک اہم فریضہ اور مقصد ہوتا تھا۔

تفسیر المنار میں اس آیت کے تحت لکھا گیا ہے:''فَاِقَامَةُ الدِّیْنِ مَرْتَبَةٌ فَوْقَ مَرْتَبَةِ التَّدَیُّنِ الْمُطْلَقِ' وَهِیَ الْعَمَلُ بِهٖ عَلٰی وَجْهِ الْکَمَالِ بِحَیْثُ یَقُوْمُ بِنَاؤُهٗ وَیَثْبُتُ'' یعنی اقامتِ دین کا مرتبہ مطلق دینداری (عمل) سے اونچا ہے' اور (اقامتِ دین) دین پر اچھی طرح عمل کرنے کو کہتے ہیں' اس شان سے کہ اس کی بنیادیں کھڑی کر کے مضبوط کر دی جائیں۔

اور جو لوگ اقامتِ دین اور احکامِ الٰہی کے قیام کی سعی نہیں کرتے ان کو اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا کہ تمہاری کوئی حیثیت ہی نہیں' تم کسی دین پر ہی نہیں ہو' اگرچہ کچھ رسمی عبادات کیوں نہ کرتے جائیں۔ فرمایا:

﴿قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ

الْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ﴾ (المائدۃ:۶۸)

''صاف کہہ دو: اے اہلِ کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ توراۃ اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔''

مولانا مودودیؒ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ'' توراۃ اور انجیل کو قائم کرنے سے مراد راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کرنا اور انہیں اپنا دستورِ زندگی بنانا ہے۔''

اقامتِ دین کی برکات

اللہ تعالیٰ کتاب اللہ کے احکام کے نفاذ کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَکَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ﴾ (المائدۃ:۶۶)

''اور اگر انہوں نے توراۃ اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں' تو ان کے لیے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا۔''

اس کی تشریح ''تفسیر بحر المحیط'' میں بایں الفاظ کی گئی ہے:''نفذوا ما فیهما من الاحکام التی شرعها الله لخیر الانسانیة' و التزموا بالمحافظة علی ادائها'' یعنی اقامت کا معنی یہ ہے کہ ان کتابوں میں جو احکام اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی خیر کے لیے مقرر کیے تھے ان کو نافذ کر دیتے اور ان کی ادائیگی کی نگرانی اپنے اوپر لازم کر لیتے (تو پھر اس کی برکات صرف آخرت میں نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی انہیں نظر آ جاتیں۔)

اسلامی حکومت کی برکات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی پیشین گوئی فرمائی ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو جائے گا اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی تو مال و دولت کی فراوانی ہوگی۔ فرماتے ہیں''وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلَهٗ اَحَدٌ'' کہ اتنا مال پہنچ جائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہیں ملے گا۔

لہٰذا اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی دین بھیجا ہے وہ نفاذ اور اقامت کے لیے بھیجا ہے۔ بنی اسرائیل کی کمزوریوں میں سے ایک یہ بیان فرمائی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے نفاذ کے لیے کوئی کوشش ہی نہیں کی' اس لیے بڑی خیر سے محروم ہو بیٹھے۔

احادیث میں بھی اسی گروہ کو عزّت کا مستحق قرار دیا گیا ہے جو دین کی اقامت کے لیے کوشاں ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا((اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ فِیْ قُرَیْشٍ لَایُعَادِیْهِمْ اَحَدٌ اِلَّا

كَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ مَا اَقَامُوا الدِّيْنَ)) (صحیح البخاری) ''یہ امارت قریش کے پاس ہوگی' جو بھی ان سے دشمنی کرے گا وہ ذلیل ہوگا' جب تک قریش دین کے قیام کے لیے کوشاں رہیں۔''

حدود اللہ کے نفاذ کا حکم

اللہ تعالیٰ نے بعض جرائم کی سزائیں مقرر کی ہے' اور ان کے نفاذ کا حکم دیا ہے' جن میں ایک سزا چور کی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا....﴾ (المائدہ:۳۸) ''چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو....'' اس کی تشریح میں امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ''لوگوں میں سے کسی مرد یا زن نے چوری کی تو ان کے ہاتھ کاٹو۔ اور اے لوگو! میرے حکم یعنی چور کی سزا اور دوسرے جرائم پیشہ لوگوں کی سزاؤں میں کمی نہ کرو۔'' (تفسیر ابن جریر' ج ۷' ص ۱۳۳)

ان قوانین کا اجراء اولوالامر (یعنی حکومت کے رکھوالے) ہی کے ذریعے ہوگا' کیونکہ نظمِ مملکت اس کا تقاضا کرتا ہے' ورنہ معاشرے میں افراتفری پھیل جائے گی۔

دو باتیں ثابت شدہ ہیں۔ ایک یہ کہ اجتماعی احکام کی اصل مخاطب اور ذمہ دار پوری اُمّت ہے' اور دوسری یہ کہ اس کا عملی نفاذ صرف اولوالامر کرتے ہیں' تو ان کا متفقہ مطلب یہ ہے کہ اولوالامر ان احکام کا اجراء و نفاذ پوری اُمّت کی طرف سے اور اس کی نیابت میں کرتے ہیں' نہ کہ اصل مخاطب اور ذمہ دار کی حیثیت سے۔ یعنی یہ فریضہ پوری اُمّتِ مسلمہ کا ہے کہ اس کے قیام کے لیے کوشش کریں' اور حاکم مقرر کر کے پھر ان کا نفاذ کرتے جائیں۔ جب حکم ساری اُمّت کو ہے تو لازم ہے کہ اگر ان کے اولوالامر یعنی حکمران نہیں ہیں تو ان کا تقرر کریں۔ اور اگر ہیں مگر نفاذ نہیں کرتے تو ان کو مجبور کریں' یا ان کو ہٹاتے ہوئے دوسروں کا انتخاب کریں۔

صحابہؓ اور اقامتِ دین

ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اختارهم الله لصحبة نبيه ولاقامة دينه'' یعنی ''یہ وہ لوگ تھے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور اقامتِ دین کے لیے مقرر کیا تھا۔''

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے لیے صحابہؓ کا انتخاب ہوا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں دین کو قائم کرنے کی بھی ذمہ داری دی گئی تھی۔ اور پھر انہوں نے یہ کر کے دکھایا بھی ہے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اس آسمان کے روشن ستارے اور مشعلِ راہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل دنیا میں ''Umar Law'' معیار سمجھا جاتا ہے۔

اصل مدّعا: اقامتِ دین

قرآن حکیم میں اُمّتِ مُسلمہ کی غرضِ تاسیس کی مختلف تعبیریں کی گئی ہیں۔ کہیں اس اُمّت کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر' کہیں شہادتِ حق' کہیں اقامتِ دین کا حکم دیا گیا ہے۔ الغرض تعبیر جو بھی ہو لیکن اصل اور بنیادی مقصد اس کا یہ ہے کہ دینِ اسلام کو اللہ تعالیٰ کی زمین میں غالب کر کے دینا ہے۔ مولانا صدرالدین اصلاحی لکھتے ہیں کہ شہادتِ حق' امر بالمعروف و نہی عن المنکر' اقامتِ دین' ایک ہی مدّعا کی مختلف تعبیریں ہیں' لیکن اقامت کا لفظ ایک مکمل کیفیت کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس میں زیادہ ہمہ گیری یوں ہے کہ متعلقہ آیت میں صرف اتنا ہی نہیں فرمایا گیا ہے کہ فلاں شے مسلمانوں کا فریضۂ حیات ہے' بلکہ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ یہی فریضہ ہر نبی کا اور اس کے ساتھیوں کا رہا ہے۔

دنیا اللہ تعالیٰ کی ہے' اختیار اور قوانین بھی اسی اللہ کے ہیں اور وہ اس کا مقتدرِ اعلیٰ (Sovereign) ہے۔ جو بھی اس کے علاوہ کسی اور کے قوانین کو اپنے اوپر لاگو کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حق چھیننے کی کوشش کر کے طاغوت کی پیروی کرتا ہے۔ اس لیے اُمّتِ مُسلمہ کا فریضہ ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کے قوانین کے نفاذ کے لیے اپنا تَن' مَن' دھن قربان کر کے انہیں قائم کریں۔ لیکن افسوس کہ آج کل ہم نے دین کو صرف عقائد اور کچھ خاص عبادات اور لباس کے ساتھ خاص کر کے کمزور بنا رکھا ہے اور اس کے نفاذ کے لیے کوشش کرنا ہی چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور خدا کا قانون خاص دائروں میں بند کر کے رکھ دیا ہے۔ مولانا صدرالدین اصلاحی اپنی کتاب ''فریضۂ اقامتِ دین'' میں لکھتے ہیں:

> ''آج ہمارا معبود اور شہنشاہ اللہ تعالیٰ ضرور ہے مگر مسجد کی چار دیواریاں اس کی معبودیت اور شہنشاہیت کی آخری حدیں ہیں اور مسجد کے باہر ہمارے آقا و حکمران وہ لوگ ہیں جو ہماری ہی طرح مخلوق ہیں اور خود بھی اسی ایک حاکم حقیقی کے قانون کی پیروی کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں سے اکثر تو وہ ہیں جو اللہ اور رسولؐ کے علانیہ باغی اور کفر و ضلال کے امام ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو مسلمان ہیں' لیکن ایسے مسلمان جنہوں نے اللہ کے ان حقوقِ

فرمانروائی کو جن کا تعلق دنیا میں انسانوں کی اختیاری زندگی سے ہے‘ اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ قریب قریب پوری اُمّتِ مُسلمہ انہی دو قسم کے ’’اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ‘‘ کو اپنا صاحب امر و حکم بنائے ہوئے ہے۔ اب اس کے لیے قانون وہ ہے جو یہ خداوندِ ارضی نافذ کریں‘ نہ کہ وہ جو کتاب و سُنّت میں ہے....‘‘ (فریضۂ اقامتِ دین‘ ص ۴۰)

لہٰذا اُمّتِ مُسلمہ کے فرائض میں سے اُمّ الفرائض یہ ہے کہ دین کے نفاذ کے لیے پوری کوشش کر کے دنیا میں پھر اسلام کا بول بالا کر کے دکھائے‘ جیسا کہ ایک دور میں رہا ہے۔ اور ایک وقت آنے والا ہے کہ اسلام پوری دنیا پر غالب ہو کر رہے گا‘ لیکن ہم نے اس میں اپنی کتنی کوشش کی ہے اس کا جواب ہم خود دیانتداری سے اپنے دلوں میں سوچ کر دے دیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے دین متین کے قیام اور نفاذ کی سعی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(یہ مضمون ماہنامہ ’’سبق پھر پڑھ‘‘ لاہور کے شمارہ نومبر ۲۰۱۹ء میں شائع ہوا تھا‘ جس کی قدرے نوک پلک درست کر کے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔) ۞۞۞

بقیہ: بیان القرآن

اس ہنگامے میں تاتاریوں کے ہاتھوں بلا مبالغہ کروڑوں مسلمان قتل ہوئے۔ ۱۲۵۸ء میں سقوطِ بغداد کا سانحہ اس انداز میں رونما پذیر ہوا کہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ تاتاری سپاہیوں نے بنوعباس کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ کو گھسیٹ کر محل سے باہر نکالا اور کسی جانور کی کھال میں لپیٹ کر اسے گھوڑوں کے سموں تلے روند ڈالا۔ یوں انتہائی عبرتناک طریقے سے عربوں کو اُمّتِ مُسلمہ کی قیادت سے معزول کر دیا گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق معجزانہ طور پر ان ہی تاتاریوں کی اولاد میں سے ترکانِ تیموری‘ ترکانِ صفوی‘ ترکانِ سلجوقی اور ترکانِ عثمانی جیسی قومیں مسلمان ہو کر اسلام کی علمبردار بن گئیں۔ ؎

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے (اقبالؔ)

بالآخر اُمّتِ مُسلمہ کی قیادت کا سہرا سلطنتِ عثمانیہ (The Great Ottoman Empire) کے نام سے ترکانِ عثمانی کے سر باندھ دیا گیا اور اس طرح خلافتِ عثمانیہ کا جھنڈا عالَمِ اسلام پر چار سو سال (۱۹۲۴ء) تک لہراتا رہا۔ ۞۞۞

مرزا غلام احمد قادیانی اور تحریک احمدیت

مریم جمیلہ اور مولانا مودودی کی مراسلت کے تناظر میں

مرتّب: محمد سفیر الاسلام

مریم جمیلہ (مارگریٹ مارکوس) امریکہ میں ایک یہودی خاندان کے گھر پیدا ہونے والی لڑکی تھی۔ اس کے مشرّف بہ اسلام ہونے کی روداد بڑی دلچسپ اور اسلام سے دلچسپی رکھنے والے غیر مسلموں کے لیے نہایت سبق آموز اور مشعلِ راہ ہے۔ مریم جمیلہ کی اسلام سے دلچسپی کی وجہ اس کا موسیقی سے لگاؤ بنی۔ ۱۱ سال کی عمر میں اس کے کانوں میں عربی موسیقی نے رس گھولا تو وہ اس کی طرف کھنچی چلی گئی۔ ایک دن وہ اپنے والد کو لے کر نیویارک کے شامی سفارتخانے چلی گئی اور موسیقی کے بہت سے ریکارڈ لے آئی۔ ان میں سورۃ مریم کی بے حد دلنواز اور فردوسِ گوش تلاوت بھی تھی، جو اُمّ کلثوم کی آواز میں تھی۔ اُمّ کلثوم بنیادی طور پر قاریہ تھی، لیکن بدقسمتی سے اس خاتون نے گلوکاری کا پیشہ اختیار کرلیا۔ مسحور کن تلاوت مریم جمیلہ کی زندگی کا ٹرننگ پوائنٹ تھا۔

اس کے بعد اس نے اسلامی لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا۔ وہ بہت کم مدّت میں بہت کچھ سیکھ لینا چاہتی تھی۔ مطالعے کے دوران کینتھ مورگن کی کتاب ''Islam:The Straight Path'' (اسلام: صراطِ مستقیم) میں مظہر الدین صدیقی کے ایک مقالے میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا ذکر پڑھا تو ان کا ایڈریس حاصل کر کے خط و کتابت شروع کردی۔ مولانا مودودی ان کے ہر خط کا جواب دیتے تھے۔ اگرچہ وہ اس خط و کتابت سے قبل دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ باندھ چکی تھیں، تاہم ان کو جہاں کہیں بھی رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوئی مولانا نے تشنگی نہ رہنے دی۔

مریم جمیلہ ۲۴ مئی ۱۹۶۱ء کو ۲۷ برس کی عمر میں بروکلین نیویارک کے اسلامی مشن میں کلمۂ شہادت ادا کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی تھیں۔ مریم جمیلہ نے سیّد مودودی کو پہلے جو چار خطوط لکھے وہ مارگریٹ مارکوس کے نام سے تھے اور پانچواں خط مریم جمیلہ کے نام سے بھیجا، جس پر سیّد مودودی بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے استقامت کی دعا کی۔ اس خط و کتابت کی بدولت

مریم جمیلہ مولانا کی ترغیب پر مغربی ماحول کو خیر باد کہہ کر پاکستان چلی آئیں۔ یہاں ان کی ایک مسلم نوجوان یوسف خان سے شادی ہوگئی۔ مذکورہ خط و کتابت ''مراسلت' مولانا مودودی و مریم جمیلہ'' کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کی گئی تھی۔ ذیل کا مضمون اسی خط و کتابت میں سے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی تحریک سے متعلق سوالات و جوابات پر مشتمل ہے۔

مریم جمیلہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے نام ایک مکتوب ۲۹ مئی ۱۹۶۱ء میں لکھتی ہیں:

''انہی دنوں میں نے ایک قابلِ قدر کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ ہے لاہوری احمدیہ تحریک کے آنجہانی سربراہ محمد علی کی ''مسیح دشمن یاجوج ماجوج''۔ اس میں مصنّف نے بتایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جہاں جہاں یاجوج ماجوج کا ذکر کیا ہے اس سے مراد دراصل مغربی مادّیت ہے جو دنیا بھر میں کسی عذاب کی طرح حاوی ہورہی ہے۔ خود اس امر پر سخت تشویش ہے کہ ''ترقی پذیر'' ملکوں میں ''اقتصادی ترقی'' کے لیے جس نام نہاد ''تکنیکی امداد'' کا غلغلہ برپا ہے، اس کا مقصد محض مغربی مادّہ پرستی کا فروغ و ترویج ہے اور بس۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اس حقیقت کی یوں پیشین گوئی فرمائی ہے: ''دجال ضرورت مند مسلمانوں کو کھانا دے کر ان سے ایمان کی نعمت چھین لے گا''۔ بدقسمتی سے مصنّف نے کتاب کا سارا تاثر آخر میں یہ کہہ کر تباہ کردیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی مہدیٔ موعود تھے۔'' (مراسلت' مولانا مودودی و مریم جمیلہ' ص: ۴۷)

اس کے بعد ۱۱ جولائی ۱۹۶۱ء کے مکتوب میں رقم طراز ہیں:

''میں نے اسلام دشمن پروپیگنڈے پر مبنی انتخابِ مقالات میں اس اداریے کو بھی شامل کرلیا ہے جو تیونس کے صدر بورقیبہ کی اس مہم کے حق میں ''اسلامک ریویو'' میں شائع ہوا ہے جو انھوں نے رمضان کے روزوں کے خلاف شروع کی تھی۔ میرے نزدیک یہ اداریہ توہین آمیز ہے اور ناقابلِ معافی بھی''۔ (مراسلت' ص: ۵۳)

اس کے جواب میں مولانا مودودی ۲۹ ستمبر ۱۹۶۱ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اگر آپ کو علم ہوتا کہ ووکنگ مشن ''اسلامک ریویو'' کس مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہے تو اس رسالے کی جانب سے بورقیبہ کی تائید و حمایت پر آپ کو تعجب نہ ہوتا۔ اس ادارے سے متعلق لوگ ہمارے ہم وطن ہیں اور ہم انھیں بخوبی جانتے ہیں۔ یہ حضرات اس مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار (لاہوری گروپ) ہیں جس نے پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ اس شخص کے پیروکاروں کی بڑی جماعت اعلانیہ اسے پیغمبر قرار دیتی ہے اور اسے جھٹلانے والوں کو برملا کافر اور بے ایمان کہتی ہے۔ مرزا غلام احمد کا بیٹا بشیر الدین محمود اس گروپ کی قیادت کرتا ہے، جب کہ ایک دوسرا گروپ جو

"اسلامک ریویو" اور انگلستان کی ووکنگ مسجد کا انتظام چلاتا ہے' مرزا موصوف کو واضح طور پر پیغمبر اور نبی ماننے کی جرأت نہیں کرتا' تاہم انھیں مسیح موعود' مجدّد اور مہدی قرار دیتا ہے اور دراصل انھی کے حلقۂ فکر سے وابستہ ہے۔

یہ امر خاصا معنی خیز ہے کہ برصغیر پاک و ہند پر برطانوی تسلّط کے دوران قادیانیوں کے دونوں گروپ انگریزی اقتدار کی حمایت کرتے رہے۔ اس کے جواب میں برطانوی سامراج نے نہ صرف ان کی در پردہ پشت پناہی کی بلکہ ہر طرح کی مثبت حوصلہ افزائی اور امداد و تعاون کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ یوں قادیانیوں کو اندرونِ ملک اہم عہدوں پر فائز کیا گیا' جب کہ بیرون ملک ہز میجسٹی کی سلطنت کے انتہائی وفادار اور جاں نثار نمک خوار ثابت ہوئے۔ ان کا نام نہاد "اسلامی" پروپیگنڈا اس لیے برداشت کیا جاتا رہا کہ بہ ظاہر یہ بے ضرر نظر آتا تھا اور ان کے تبلیغی ادارے سامراج کے لیے انھی اَن گنت مگر بے نام خدمات کو بڑی ہوشیاری سے اسلامی تبلیغ کے پیچھے چھپاتے رہے۔ محمد علی جنھوں نے قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا' قادیانیوں کی لاہوری شاخ کے رہنما تھے' انھوں نے ہی انگلستان میں "ووکنگ مشن اور لٹریری ٹرسٹ" قائم کیا اور "اسلامک ریویو" کا اجرا کیا۔

یہ لوگ مغربی معیارات کے عین مطابق اپنے آپ کو روشن خیال' ترقی پسند' متجدّد اور لبرل ثابت کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔ یہی سبب ہے کہ پاکستان یا کسی دوسرے اسلامی ملک میں جب بھی اسلام کی "اصلاح" کے لیے کوئی قدم اٹھایا گیا' قادیانیوں نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ چنانچہ حال ہی میں جب ہمارے ملک میں مغرب پسند حلقوں کو خوش کرنے کے لیے عائلی قوانین میں ترمیم کی گئی تو "اسلامک ریویو" کے اربابِ اختیار نے انھیں گرم جوشی سے خوش آمدید کہا"۔ (مراسلت' ص: ۵۷' ۵۸)

تعدّدِ ازواج کے بارے میں محمد علی لاہوری کی تحریر پر مولانا مودودی نے لکھا:

"اسی ضمن میں محمد علی لاہوری نے روایتی معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا اور اپنے ترجمۂ قرآن میں اس مسئلے کو من مانے معنیٰ پہنا دیے۔ صفحہ ۱۸۷' ور ۱۸۸ پر

"سورت: ۴' النساء' آیت: ۳ (اس آیت میں) تعددِ ازواج کی اجازت خاص حالات میں دی گئی ہے..... اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت اس وقت کے اسلامی معاشرے کی خاص ضروریات کے تحت دی گئی تھی ..... یہاں پر اس امر کا اضافہ بھی ضروری ہے کہ اسلام میں نظریہ اور عمل دونوں اعتبار سے تعددِ ازواج محض استثنائی صورت رکھتا ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔"

ان پُرفریب مغالطوں کے خلاف سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ پوری اسلامی تاریخ میں کسی نامور مفسرِ قرآن نے اس آیت کی یہ تشریح و تعبیر نہیں کی' اور اس سوچ نے اس وقت سر اٹھایا جب اسلامی دنیا یورپین سامراج کے چنگل میں پھنس گئی۔ میں نے قرآن یا حدیث کی کسی کتاب میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی کہ تعددِ ازواج کو برائی سمجھ کر مسترد کیا گیا ہو' نہ ہی کبھی یہ معاملہ زیرِ بحث آیا ہے کہ اسے مخصوص حالات سے وابستہ کر کے استثنائی صورت دی جائے"۔ (مراسلت' ص: ۶۴' ۶۵)

"محمد علی لاہوری نے (جو مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار اور انگریزی میں قرآن کے مترجم ہیں) علی گڑھ والوں کے خیالات و نظریات کی کھل کر اور بھرپور تائید کی (بعض مغربی مصنفین محمد علی کے نام سے دھوکا کھا کر اسے محمد علی جوہر سمجھ لیتے ہیں' جو برصغیر کے ایک معروف سیاست دان اور تحریک آزادی کے رہنما تھے)۔" (مراسلت' ص: ۷۲)

مریم جمیلہ اپنے ایک خط ۲۵ جنوری ۱۹۶۶ء میں لکھتی ہیں:

"کئی ہفتے گزرے' یہاں نیویارک کی مسجد میں ظفر اللہ خاں ایک لیکچر دینے آئے۔ پہلے تو میں نے ان کی تقریر سننے کا پروگرام بنا رکھا تھا' لیکن عین آخری لمحوں میں وہاں جانے کو جی نہ چاہا۔ جیسا کہ آپ بہ خوبی جانتے ہیں' ظفر اللہ خاں احمدیوں کے سربرآوردہ لیڈر ہیں۔ جہاں تک قادیانیوں کی دو شاخوں کا تعلق ہے' ذاتی طور پر میں ربوہ کے مقابلے میں لاہوری گروپ کو زیادہ خطرناک سمجھتی ہوں۔ اوّل الذکر لوگ واضح انداز میں مرزا غلام احمد کو پیغمبر مانتے ہیں اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں ان کو کافر کہتے ہیں اور یوں وہ کھلے کھلے اسلام سے باہر ہیں۔ اس کے مقابلے میں لاہوری احمدی بظاہر اپنے آپ کو راسخ العقیدہ مسلمانوں کے روپ میں پیش کرتے ہیں' لیکن بڑی عیاری کے ساتھ خفیہ انداز میں اپنے اصل عقائد کی تبلیغ بھی کرتے جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ظفر اللہ خاں اس دوسرے گروپ سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو صحیح العقیدہ مسلمان ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اس کا اصل روپ اس وقت سامنے آ گیا تھا جب اعلیٰ سرکاری عہدے دار ہونے کے باوجود اس نے محض اس بنا پر قائداعظم کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی کہ امام قادیانی نہیں تھے۔

نیویارک میں ایک چھوٹی سی دکان ہے' جس میں مشرق سے متعلق خصوصاً پاکستان کی چھپی ہوئی اسلامی کتابیں بھی مل جاتی ہیں۔ اس دکان سے میں نے قادیانیت کے بارے میں شیخ محمد اشرف (لاہور) کی چھپی ہوئی ایک مختصر انگریزی کتاب خریدی۔ اس کا عنوان ہے: (ترجمہ) "تقدس مآب" یعنی مرزا غلام احمد کے دعوائے نبوت کے کھوکھلے پن کا بے باک اور بے لاگ انکشاف"۔ اسے Phonics نامی کسی گم نام شخص نے لکھا ہے' جب کہ ظفر علی خاں کے قلم سے بڑا

ہی نفیس تعارف دیا گیا ہے۔ میں نے مرزا کے بارے میں انگریزی زبان میں اس سے بہتر اور واضح کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ اس میں موصوف کی اپنی کتابوں سے اقتباسات دیے گئے ہیں۔ اس شخص کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد میں حیرت سے سوچتی رہی کہ محمد علی لاہوری جیسے ذہین و فطین لوگوں نے آخر کس بنا پر مرزا کے لایعنی اور مضحکہ خیز دعاوی کو تسلیم کرلیا۔ یہ المیہ یا تو ذاتی مفادات یا پھر مادّی اغراض کی وجہ سے پیش آیا ہوگا۔ مجھے تو یہ شخص اخلاقی حس سے عاری اوسط درجے کی صلاحیتوں کا حامل نظر آیا' جس میں یقیناً دیوانگی کے جراثیم وافر مقدار میں تھے۔ اس کے "الہامات" (بلکہ صحیح تر الفاظ میں مغالطہ آمیز خرافات) اسے یقین دلاتے ہیں کہ خدائے افلاک نے اسے شان و شوکت بخشی ہے اور اعلیٰ ترین زیبائش عطا کی ہے' چنانچہ وہ آریوں کا بادشاہ ہے' وہ کرشن مہاراج ہے اور جے سنگھ بہادر ہے (ایک سکھ نام بہ معنیٰ فاتح شیر)۔ مریم بھی اُسی کا نام ہے اور وہ دس ماہ تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم راہ رہا' یا رہی' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں دراصل مرزا ہی نے جنم لیا تھا۔ (صفحہ: ۱۹۱' ۱۹۲)

کیا یہ ہفوات اس امر کا کافی ثبوت نہیں کہ وہ پاگل آدمی تھا؟ میں نہیں جانتی کہ اس کے اعزّہ اس کی صحیح شناخت کیوں نہ کر سکے اور کیوں انھوں نے اسے کسی گوشۂ تنہائی میں بند نہیں کر دیا؟ چنانچہ اگر مرزا غلام احمد کو کسی پاگل خانے میں بند کر دیا جاتا تو اسے اپنی خرافات پھیلانے کا موقع نہ ملتا۔ پھر نہ آپ کو ۱۹۵۳ء کے پنجاب فسادات میں حوالۂ زنداں کیا جاتا اور نہ ہی سزائے موت کی نوبت آتی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آج مرزا زندہ ہوتے تو ان کے بلند بانگ دعاوی مگر مخصوص ذہنی و نفسیاتی حالت کے پیشِ نظر ڈاکٹروں کا بورڈ انھیں لازماً مالی خولیا (hysteria) کی ایسی قسم سے مشخّص کرے گا جس میں ذہنی انتشار ہوتا ہے' مگر مریض کو پختہ یقین ہوتا ہے کہ اس کے عقائد درست ہیں' اس میں بڑائی کا ادّعاء پیدا ہو جاتا ہے اور اسے وہم ہو جاتا ہے کہ کوئی غیر مرئی خارجی طاقت اس کے خیالات کی تائید کر رہی ہے۔

انگریزی میں ایک سطر سے ان کے ذہنی اور فکری انتشار و فساد کا احساس ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنّف نے لکھا ہے: "نام نہاد پیغمبر غلام احمد میں ایذا رسانی کا جنون اپنی آخری حدوں کو پہنچا ہوا تھا اور اس کے دعاوی اس کے اس جنون کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ جب یہ نفسیاتی کیفیت فزوں تر ہو جاتی تو اس کے دعووں کا رنگ اور بڑھ جاتا تھا۔ چنانچہ اگر مسلمان اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے اور اس کے باؤلے پن پر چنداں توجہ نہ دیتے' تو اس کے ذہنی و فکری فساد کا تناسب اس قدر ترقی نہ کرتا۔ (صفحہ ۱۸۵' ۱۸۶) جو آخر میں ایسی انتہائی صورت اختیار کر گیا تھا کہ اُس نے

وجدانی حالت میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے اصل روپ میں دیکھا' اور جو لوگ اس کے خلاف تھے ان کو وہ "حرام زادہ" کی گالی دینے لگا تھا۔ میرے علم میں نہیں کہ مرزا غلام احمد کی کسی ضخیم کتاب کا انگریزی میں ترجمہ ہوا ہو۔" [یاد رہے یہ تحریر ۱۹۶۲ء کی ہے: م' س] البتہ تعلیماتِ اسلام (ٹیچنگ آف اسلام) کے عنوان سے اس کی ایک مختصر کتاب انگریزی میں منتقل ہوئی ہے۔

میرے خیال میں قادیانیوں کو خوب احساس ہے کہ "الہامات" کے نام سے جو یاوہ گوئی اور بکواس مرزا صاحب تحریر کرتے ہیں' لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے۔ تاہم میری تجویز ہے کہ مرزا کی کتابیں خصوصاً 'حقیقت الوحی' اردو میں بھی دوبارہ چھپنا چاہیے اور اس کا انگریزی اور دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ ہونا چاہیے' عوام کے استفادے کے لیے بلکہ طبّی حلقوں کے مطالعے کے لیے۔ یقیناً 'حقیقت الوحی' غیر متوازن نفسیات (ابنارمل سائیکالوجی) کے طالب علموں کے لیے بے حد دلچسپی کا باعث بنے گی اور ماہرینِ نفسیات اسے گراں قدر اور بہترین دستاویز قرار دیں گے' جس میں عملی قسم کی مکمل اور جامع معلومات کے ذریعے تجزیہ کیا جا سکے گا کہ مالی خولیا کی حالت میں دماغ کس طرح کام کرتا ہے۔ اس مطالعے کی روشنی میں مرزا غلام احمد کی کتابیں دماغی امراض کے سلسلے میں مزید تحقیق کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔" (مراسلت' ص: ۷۶ تا ۷۸)

مولانا مودودی ۱۰ فروری ۱۹۶۲ء کو جواب میں لکھتے ہیں:

"مرزا غلام احمد کے بارے میں آپ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے' وہ سو فی صد درست ہیں۔ فرض کیا اگر ہم برائے بحث بھی تسلیم کر لیں کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی آ سکتا ہے' اگرچہ یہ مفروضہ قرآن و حدیث کے صریحاً متخالف ہوگا' تو یہ دیکھ کر کہ اس قدر گھٹیا اخلاق اور پست ذہنیت کا آدمی اس قدر عظیم اعزاز سے نواز دیا گیا ہے' خود اس نبوت کا تصوّر ہی زوال کے تحت الثریٰ میں گرتا ہوا محسوس ہوتا ہے جو اس زمانے میں گھڑ لیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ کو یہ سن کر کوئی حیرت نہ ہوگی کہ اس بہروپیے پیغمبر کی بیش تر کتابوں کا نہ صرف یہ کہ انگریزی میں ترجمہ نہیں ہوا' بلکہ اس کی اصل کتابیں اردو میں بھی اس کے پیروکاروں کی دسترس میں نہیں ہیں۔ اور چوں کہ قادیانی خود بھی اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ مرزا کی تحریریں یاوہ گوئی کا قابلِ نفرت مرقع ہیں' اس لیے وہ انھیں عام لوگوں سے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔ آپ نے لاہوری احمدیوں اور ربوہ کے قادیانیوں کا خوب تجزیہ کیا ہے' مگر سر ظفر اللہ خاں کے بارے میں آپ کی معلومات درست نہیں۔ ان کا تعلق لاہوری گروپ سے نہیں ہے' وہ ربوہ سے تعلق رکھنے والے کٹر قادیانی ہیں اور مرزا کو نبی مانتے ہیں"۔ (مراسلت' ص: ۸۳) ۞۞

نصب العین کی صورت گری میں
ترجیحات کا عنصر

راحیل گوہر

ہم اپنے لیے جو راستہ منتخب کرتے ہیں وہی ہماری منزل طے کرتا ہے۔ غلط راستے پر چلتے ہوئے غلطی کا احساس ہونے پر بھی اگر ہم نہ رُکیں‘ اپنا راستہ نہ بدلیں تو ہم ایک ایسی اندھی گلی میں پہنچ جاتے ہیں جہاں آگے راستہ مسدود ہوتا ہے۔ ہم جو کرتے ہیں‘ جو فیصلے لیتے ہیں‘ وہی ہماری منزل کا تعین کرتے ہیں۔ جرم کا کوئی سائز نہیں ہوتا یہ بتانے کے لیے کہ کتنا غلط ہونے والا ہے اور کتنا صحیح!

انسانوں کے قلوب و اذہان میں تغیّر و تبدّل کئی مؤثر عوامل کی کارفرمائی ہوتا ہے۔ اس میں اوّلین درجہ تو انسان کا وہ ماحول ہوتا ہے جس میں وہ اپنے شعور کی آنکھ کھولتا ہے۔ اس کی فکری اٹھان‘ اس کا تحت الشعور اور سماجی ماحول‘ زمینی حقائق‘ سب اس کی تہذیبِ نفس یا تخریبِ نفس اور اس کی کردار سازی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جس منہج پر معاشرہ گامزن ہوتا ہے وہ بھی اسی راہ پر چل پڑتا ہے‘ چناں چہ اس کی شخصیت سازی میں اس کا گھرانہ‘ ماں باپ‘ بہن بھائی‘ رشتے دار‘ دوست اور اساتذہ کا بہت بڑا حصّہ ہوتا ہے۔ اور انسان زندگی کا ایک بڑا حصّہ اسی ماحول میں رہ کر بسر کرتا ہے۔

انسانی ذہن چوں کہ تغیّر و تبدّل کا عادی ہے اس لیے اس کے اپنے گھر اور اپنے ماحول سے باہر پھیلے ہوئے عقائد و نظریات اس کے کردار کے بناؤ بگاڑ میں ایسا پختہ اور قوی بدلاؤ لے آتے ہیں جس سے اس کے فکر و عمل کی دنیا ہی تہ و بالا ہو جاتی ہے۔ اس ترقی یافتہ دور میں کفر و الحاد کی مسموم آندھی نے قلوب و اذہان کو کچھ اس طرح مسخر کیا ہے کہ آنکھیں ہونے کے باوجود انسان بصارت ہی نہیں بصیرت سے بھی محروم ہو چکا ہے۔ اس کردار کے حامل شخص کی صحیح عکاسی قرآن حکیم میں ان الفاظ میں کی گئی ہے:

﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾﴾ (الاعراف)

’’ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں‘ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں‘ ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گئے گزرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے ہوئے ہیں۔‘‘

انسان کی تعمیرِ شخصیت میں نصب العین کو ایک فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ نصب العین عادتوں کی تشکیل کرتے ہیں‘ اس لیے ہر شخص کو اپنا نصب العین خود وضع کرنا چاہیے۔ مؤثّر نصب العین قوتِ ارادی کا راز ہے‘ کیوں کہ قوتِ ارادی سیرت کی عملی شکل ہوتی ہے۔ قوت ارادی کا تعلق عزّتِ نفس سے بھی ہے۔ ہمیں اپنے آپ پر اعتماد ہونا ضروری ہے‘ اگر نہیں ہے تو یہ اعتماد پیدا کرنا چاہیے‘ تبھی ہم کسی مقصد کی خاطر زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اپنی ذات کے ترفع اور اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کے اظہار کے لیے عزّتِ نفس بہت ضروری ہے۔

ہماری زندگی کے لائحہ عمل میں جو ترجیحات شامل ہوتی ہیں ہم بعض اوقات اس میں بڑے حساس واقع ہوتے ہیں اور اس میں معمولی سی کمی بھی برداشت نہیں کرتے۔ کوئی وعظ‘ کوئی نصیحت‘ درس یا کسی دانشور‘ حکیم یا فلسفی کا قول ہمارے پائے استقلال میں جنبش نہیں لا سکتا۔ وہی مثال کہ: ’’پنچوں کا کہا سر آنکھوں پر‘ مگر پرنالہ وہیں بہے گا‘‘۔ یہ صحیح ہے کہ قوموں کی زندگی میں ترجیحات کا تعین ناگزیر ہوتا ہے‘ کیوں کہ ترجیحات سے ہی انسان کے اہداف کا تصوّر واضح ہوتا ہے۔ اگر ترجیحات میں احساسِ بندگی اور احترامِ آدمیّت کا شعور نمایاں ہے تو اسی سے تعمیرِ افکار اور تطہیرِ افکار کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

عام طور سے کسی بھی شخص کی ترجیحات اس کے مخصوص ماحول کی پیداوار ہوتی ہیں۔ خارجی عوامل اور معاشرے کے اجتماعی ماحول میں پھیلے ہوئے عقائد و نظریات اس کے شعور و ادراک کو اس حد تک متأثّر کرتے ہیں کہ وہ ان کے حصار سے چاہے بھی تو نکل نہیں پاتا اور رفتہ رفتہ اس کی فکر اور ذہنی صلاحیت پر یہ نظریات غالب آجاتے ہیں۔ اور اس کے عمل میں اوّلیت ان ہی ترجیحات کو ہوتی ہے جن نظریات کے تحت وہ اس کے ذہن و دل کو متأثر کر چکے ہوتے ہیں۔

دورِ جدید کے مسلمانوں میں کثیر تعداد کی ترجیحات کا مرکز مغرب کی پُرکشش اور فریب نظر (glamorize) زندگی ہے۔ مغرب کا کلچر‘ وضع قطع‘ ان کی زبان اور ان کی بے باک اور ہر

قید و بند سے مکمل آزاد طرزِ زندگی مسلمانوں، جن میں خاص طور سے نوجوان نسل پیش پیش ہے، کا آئیڈیل ہے۔ اور جب کسی قوم کی ترجیحات دوسری قوم کے خدوخال میں ڈھلنے لگتی ہیں تو نتیجے کے طور پر غیر اقوام اپنی تہذیب و ثقافت کے ساتھ غالب آنا شروع ہو جاتی ہیں۔

یہی حادثہ اُمّتِ مُسلمہ کے ساتھ بھی ہوا۔ مغرب کا تہذیب و تمدّن، اس کی اقدار و افکار اور اس کے نظامِ زندگی کو مسلمانوں نے ترجیحاً اپنی فکری اور عملی زندگی میں قبول کر لیا۔ اور قبولیت کے اس فریب میں نیم خواندہ ہی نہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ بھی مغرب کے اس سحر میں مبتلا ہو گیا۔ ان کے معمولاتِ زندگی میں بھی مغرب سے آیا ہوا ہر فلسفہ زندگی بسر کرنے کا بہترین لائحہ عمل قرار پایا۔ چنانچہ موجودہ دور کے مسلمان اس مغربی تہذیب کو اپنا کر مغربی اقوام میں مکمل طور پر جذب نہیں ہوئے تو پوری طرح سے مسلمان بھی نہیں رہے۔ آدھا تیتر، آدھا بٹیر والی حیثیت ہے ان فریب زدہ لوگوں کی۔ جب قومیں مغلوب ہوتی ہیں تو شمشیر و سناں اور تیر و ترکش ہی زنگ آلود نہیں ہوتے، بلکہ پوری قوم کی فکر، ذہنیت، اندازِ فکر اور زاویۂ نظر تک زنگ آلود ہو جاتے ہیں اور ان پر حریت و حمیت کے بجائے غلامی کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اور یہی کچھ آج اُمّتِ مُسلمہ کا حال ہے۔

ترجیحات سے ہی انسان کا تشخّص واضح ہوتا ہے۔ اس کے ذہن میں جس عمل کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے وہی اس کی ترجیحات میں شامل ہوتا ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی مشاہدے میں آیا ہے کہ بعض لوگ اپنے غلط فیصلوں کو بھی دوسروں کے صائب فیصلوں پر ترجیح دیتے ہیں اور ان کو منوانے پر اصرار بھی کرتے ہیں۔ بسا اوقات ہٹ دھرمی کو بھی ترجیحات کا رنگ دے دیا جاتا ہے۔ اس میں کہیں کسی کی انا کا مسئلہ چھپا ہوتا ہے جو اس کو اپنے فیصلوں میں پیچھے ہٹنے نہیں دیتا۔ چنانچہ یہی روش معاشرے اور خاندانوں میں بدمزگی اور باہمی تعلقات میں تناؤ کا سبب بن جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خود اپنے بارے میں ہمارا علم ناقص اور ادھورا ہوتا ہے۔ زندگی کے بہت سے لمحات میں ہم اس سے مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے اپنے آپ کو سمجھا ہوتا ہے۔ حقیقی شعورِ ذات (self consciuosness)، شعورِ شخصیت (personal consciousnes) سے بالکل مختلف چیز ہے، لیکن ہم شعورِ شخصیت کو ہی شعورِ ذات سمجھنے لگتے ہیں۔ ہم اپنی ذات اور اپنی ذات کے بارے میں اپنے خیال کے درمیان تمیز نہیں کر پاتے۔ ہم سب اپنی ذات کے بارے میں اپنے خیال کے زنداں میں رہتے ہیں، لیکن یہ احساس بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے کہ وہ قید میں ہیں، بلکہ وہ اس زنداں کو اپنا گھر سمجھ لیتے ہیں۔ ہماری شخصیت کا زنداں ہمارے لیے اتنا حقیقی

ہوتا ہے کہ ہم پوری زندگی کو اس روزنِ دیوار سے دیکھنے لگتے ہیں، اور اس طرح دیکھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس زندگی کو جو حقیقی ہے اور ہمارے زنداں سے باہر وجود رکھتی ہے، کبھی اس طرح نہیں دیکھ سکتے جیسی وہ ہے۔

ہماری ذہنی تصویر کیا ہے؟ ہماری ذات کے بارے میں ہمارا ایک خیال ہے۔ یہ خیال ہمیشہ ہماری اہمیت سے وابستہ ہوتا ہے۔ ہم اس خیال کو اپنے اندر پاتے ہیں، اس کی نگہداشت کرتے ہیں۔ اپنے جذبے، احساس اور تخیل کا سارا آب و رنگ اس کی آرائش و زیبائش پر صَرف کرتے ہیں اور وہ ہمارے لیے دُنیا کی سب سے حسین، سب سے محبوب چیز ہوتا ہے۔ اس کی محبّت میں اپنی ''ذات'' کو بھول جاتے ہیں اور یہ خوابیدگی ہمارے اندر اتنی گہری سرایت کر جاتی ہے کہ ہم اپنی ذات سے بیگانہ ہو کر صرف اپنے خیال کی دنیا میں مگن رہتے ہیں۔ یہ ہمارا جھوٹا تشخّص ہوتا ہے۔

یہی عناصر ہیں جو انسان کی ذات کی تکمیل نہیں ہونے دیتے۔ تکمیلِ ذات (self-actualization) کی ضرورت پوری نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ اپنی زندگی سے بھرپور فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اور یہ کمی فرد کی زندگی میں ایک خلا پیدا کر دیتی ہے اور یوں وہ فرد وہ سب کچھ نہیں کر پاتا جو وہ کرنے اور کر گزرنے کی سکت اور صلاحیت رکھتا ہے۔

انسان کے تمام تر جذبات و احساسات کی بنیاد اپنے تحفظِ ذات کا شعوری ادراک ہے۔ تحفظِ ذات کے جذبے سے ہی یہ خواہش دل کے نہاں خانے میں پہنچتی ہے کہ خارجی اسباب و علل سے وقوع پذیر ہونے والے حالات اس کی پُرسکون زندگی میں کوئی ہیجان برپا نہ کر سکیں۔ انسان جبر و قدر کے مابین ایک مجبور و مختار ہستی ہے۔ اس پر جب حوادثِ زمانہ اثر انداز ہوتے ہیں تو اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے وجود کو قائم رکھ سکے۔ اپنی روح کو درجہ کمال تک پہنچانے میں سب سے مؤثّر وہ بنیادی اَخلاقی وصف اور قوتِ نفس و شجاعت ہے جو انسان کو حوادثِ زمانہ سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت عطا کرتے ہیں۔

کانٹ (Immanuel Kant) کہتا ہے کہ ''عام عقلی علم سے اخلاق کی بلند سطح تک پہنچنے میں انسان کے نیک ارادے کے سوا اور کوئی خیر مطلق نہیں۔ ذہانت، ذکاوت، ظرافت اور دوسری ذہنی صلاحیتیں، حوصلہ، عزمِ مصمم اور استقلال وغیرہ بلاشبہ اچھی خوبیاں ہیں اور اس قابل ہیں کہ انہیں حاصل کیا جائے، لیکن انسان کی اصل کردار سازی اس کا صدق و وفا کا ارادہ ہی ہے۔ اگر

وہ نیک نہ ہوتا تو قدرت کے یہ تمام عطیات نہایت بُرے اور شر انگیز بھی ثابت ہو سکتے تھے۔ قوت و طاقت، دولت و راحت اور عزّت و توقیر حتیٰ کہ صحت و قناعت اور اطمینان و سکون کی بھی یہی صورت ہے۔ اگر نیک ارادہ ان کو صحیح راہ پر نہ لگائے تو ان سے غرور و تمکنت جیسا مذموم جذبہ پیدا ہو سکتا ہے۔''

ایک عام آدمی اور ایک راسخ العقیدہ مسلمان میں جو بنیادی فرق ہونا چاہیے، وہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر پہلو اور ہر جہت میں ترجیح ان احکامات کو دینا ضروری ہے جو قرآن و سُنّت میں بیان ہوئے ہیں۔ رسول مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا : كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهٖ)) (موطأ امام مالک، کتاب القدر، باب ۱، ح:۱۶۲۸)

''مَیں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھام لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ اللہ کی کتاب اور اُس کے نبی ﷺ کی سُنّت ہے۔''

انہی دونوں جوہروں کو اپنی زندگی کے معمولات میں شامل کرنا ہی انسان کی اصل کامیابی کا راز ہے۔ دنیاوی معاملات میں تو انسان وقت کے تقاضوں پر اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں فیصلے کر سکتا ہے، مثلاً کوئی نیا کاروبار شروع کرنا ہے، رہائش کے لیے کوئی مکان بنانا ہے، بیٹی یا بیٹے کا نکاح کرنا ہے، کسی کے ساتھ کوئی شراکت کا معاملہ ہے، ان تمام امور میں آدمی دنیاوی مصلحتوں اور اپنے نفع و نقصان کے پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے جو اپنے طور پر بہتر سمجھے وہ لائحہ عمل ترتیب دے سکتا ہے، لیکن ان میں بھی کوئی فیصلہ قرآن و سُنّت سے متصادم نہ ہو، اس چیز کو دیکھتے ہوئے اپنا کام کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر جہاں معاملہ شریعت کا ہو تو وہاں ہرگز اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ اپنی ترجیحات کو پیش نظر رکھ کر کوئی چھوٹا سے چھوٹا بھی عمل کرے۔ اس معاملے میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگوں کی تمام ترجیحات ظواہر پر ہوتی ہیں۔ ان کی عبادات کا سارا زور ظاہری وضع قطع اور ظاہری اعمال پر ہی ہوتا ہے، اور جو دین کے بنیادی تقاضے ہیں وہ اکثر نظر انداز ہو رہے ہوتے ہیں۔

اسلام ایک متوازن دین ہے اور اس میں مقدّم اور مؤخر کے ضابطے انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اسلام اللہ عزّوجل کی اُس ہدایت کا نام ہے جو اُس نے اپنے برگزیدہ نبیوں کے ذریعے سے انسانوں کی رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً بھیجی ہے اور اپنی آخری اور مکمل شکل میں

ہمارے پاس محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے پہنچی ہے۔ یہ وہ ضابطہ حیات ہے جو عین فطرت کے اصولوں پر قائم ہے اور انسان اس کے ذریعے سے دنیاوی اور اُخروی دونوں کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔ یہ زندگی کا مکمل قانون ہے۔ اس قانون کو انسان نے نہیں، خدا نے بنایا ہے۔ یہ ابدالآباد تک کے لیے ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰﴾ (الروم)

''اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

چناں چہ جب اسلام ہی دینِ فطرت اور حق و صداقت کی روشن شمع ہے تو جو انسان اس دینِ متین پر ایمان و یقین رکھتا ہو اُس کو اپنی ترجیحات اور اپنے منہجِ حیات کو اسی دین صدق و وفا کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔

زندگی کی قوتیں سیماب کی طرح ہیں، اگر ان کی کوئی سمت معیّن نہ ہو تو وہ کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف لڑھک جاتی ہیں۔ نصب العین ان قوتوں کے بہاؤ کی سمت متعین کرتا ہے، لہٰذا ان سب کو ایک مرکز پر لا کر مجتمع، متحد اور منظم کرتا ہے۔ نصب العین فرد کی زندگی کا ایک ایسا مرکز ہے جس کی طرف اس کی تمام قوتیں سمٹ کر آ جاتی ہیں۔

متوازن زندگی اسلامی فلسفۂ حیات کا سنگِ میل ہے اور زندگی میں توازن قائم رکھنے کے لیے راسخ العقیدہ اور مستحکم خود ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک انسان کا منتہائے مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نہ ہو، اُس وقت تک اُسے نہ تو سکونِ قلب ملتا ہے، نہ متوازن زندگی۔ بات زندگی میں ترجیحات کی ہو یا نصب العین کے تعین کی — دونوں کے ردّ و اختیار میں غالب رجحان اُس مالکِ حقیقی کی رضامندی کی طرف ہونا لازمی ہے جو جمادات و نباتات اور حیوانات کا تخلیق کار ہے۔ جو انسان کا ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ وہ جب چاہے اور جیسے چاہے اپنی بخشی ہوئی آزادی کو سلب کر لے۔ اسی حقیقت کو ایک جرمن فلسفی ریل (Riehl) نے ان الفاظ میں ادا کیا تھا: ''انسان تن کر سیدھے کھڑا نہیں رہ سکتا جب تک کوئی ایسی چیز اُس کے سامنے موجود نہ ہو جو خود اُس سے بلند تر ہے، وہ کسی بلند چیز کے دیکھنے ہی کے لیے سر اوپر کر سکتا ہے!'' بلندی کا یہ نصب العین خدا کی ہستی کے تصوّر کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اگر یہ بلندی اُس کے سامنے سے ہٹ جائے تو پھر اسے نیچے کی طرف دیکھنے کے لیے جھکنا

پڑے گا' اور جونہی اس نے نیچے کی طرف دیکھا' انسانیت کی بلندی پستی میں گرنے لگتی ہے۔ خدا کی ہستی کا اعتراف انسانی فطرت کے اندرونی تقاضوں کا جواب ہے۔ اسے حیوانی سطح سے بلند ہونے اور انسانیت کے اعلیٰ درجے تک پہنچنے کے لیے بلندی کے ایک نصب العین کی ضرورت ہے' اور اس نصب العین کی طلب بغیر کسی ایسے تصوّر کے پوری نہیں ہوسکتی جو کسی نہ کسی شکل میں اس کے سامنے آئے۔ زندگی کے ہر گوشے میں انسان کے فطری تقاضے ہیں۔ فطرت نے فطری تقاضوں کے فطری جواب دیے ہیں اور دونوں کا دامن ایک دوسرے سے باندھ دیا ہے۔

قرآن عظیم کا گہرا تدبّر اور سیرت النبی ﷺ کا بغور مطالعہ انسان کو دنیا کی تمام فلسفیانہ پیچیدگیوں' اوہام وتشکیک اور زیغ وضلال کی گمراہیوں سے دور کر دیتا ہے۔ شعور کی دہلیز پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی اگر انسان اللہ تعالیٰ سے ہدایت ورہنمائی طلب کرتا رہے تو اللہ اسے کبھی بھٹکنے نہیں دیتا۔ کیوں کہ اُس کا فرمان ہے:

﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴿۳۸﴾﴾ (البقرۃ)

''پھر جب میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے' تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے' ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔''

شخصیت کی تشکیل ہو' نصب العین کا تعین ہو یا ترجیحات کا پہلو' ان سب کی تخم ریزی کے لیے بہترین' بابرکت اور مطلوبہ نتیجہ قرآن وسنّت کے بحر ناپیدا کنار میں غواصی کرنے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ ورنہ دنیا میں پھیلے ہوئے گمراہ کن نظریات' بے خدا تہذیب کے علمی اور عقلی فلسفہ ہائے زندگی انسان کو حقائق وروحانی تجلیات سے کوسوں دور لے جاتے ہیں۔ تذبذب اور لاادریت کا زہر آگیں احساس انسان کے سفرِ حیات کو مخدوش بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر بے مہار نہیں اتارا ہے' اس کی نسل کا آغاز جہالت کے اندھیرے سے نہیں کیا گیا' بلکہ پورے علم وشعور کے ساتھ اسے وجود بخشا گیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا ۢ بَصِیْرًا﴿۲﴾ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴿۳﴾﴾ (الدھر)

''ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض سے ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اسے راستہ دکھا دیا' خواہ وہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔''

اور اسے اس کے بعد مقصدِ تخلیق سے بھی آگاہ کیا گیا۔ از روئے قرآن حکیم:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴿۵۶﴾﴾ (الذّٰریٰت)

''اور میں نے جنّوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے نہیں پیدا کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔''

اسلام اپنی تعلیمات میں واضح طور پر یہ بیان کرتا ہے کہ دنیا میں زندگی بسر کرنے میں انسانوں کے خودساختہ فلسفے اور طرزِ زندگی محض عقل کی بنیاد پر بنائے گئے ہیں اور ع ''عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے'' چنانچہ اس عقل نے ہی انسانوں کی ایک کثیر تعداد کو ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا ہے۔ جبکہ الہامی تعلیم' جسے مذہب کا نام دیا گیا ہے' ایک شعور یا قلب ونظر کی بیداری کا نام ہے' جو ایک غیر مرئی روحانی نظام سے ہمارے عملی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ انسان حیوانِ ناطق کہلاتا ہے اور جو چیز انسان کو انسان کی حیثیت سے ٹھیک طور پر متصف ومتمیّز کرتی ہے وہ ہے اس کے اندر اخلاقی خیالات اور روحانی جذبات کے مجرد تصوّرات کا پایا جانا۔ اور یہی اوصافِ عالیہ ہیں جو اُس کے اشرف المخلوقات ہونے کی دلیل ہیں۔ ان پر مستزاد انسان کو قیامت تک کے لیے اس کی عین فطرت کے مطابق ایک مکمل اور جامع تعلیم زندگی دے دی گئی ہے' جو دین اسلام یعنی قرآن وسنّت کی صورت میں موجود ہے۔

الغرض' جب ربّ کائنات نے زندگی بسر کرنے کے سب طریقے بتا دیے تو پھر کسی اور آدرش' نظریہ' جسمانی مشقتوں اور روحانی اذیتوں' کسی اور منطق یا فلسفہ یا علم الکلام کی بھول بھلیوں میں سرگرداں رہنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ ایک سلجھی ہوئی ڈور کو خود اپنی لاعلمی اور حماقتوں کی وجہ سے اس طرح الجھا دینا کہ پھر سرا ہی نہ مل سکے کہاں کی دانشمندی ہے؟

زندگی میں ترجیحات وہی درست ہیں جسے اسلام درست کہتا ہے اور نصب العین کا تعین وہی صحیح ہے جس کا راستہ اسلام نے دکھایا ہے۔ اللہ ربّ العزت کی ہدایت کی روشنی سے صرفِ نظر کر کے آگے بڑھتے جانا یا تو کسی ایسی کھائی تک لے جاتا ہے جہاں اگلا قدم زندگی کو ہی ختم کر دیتا ہے یا پھر راستہ مسدود ہو جاتا ہے اور بصارت ہونے کے باوجود بھی آگے کچھ نظر نہیں آتا۔ ع ''کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں''۔ دنیا اور آخرت میں کامیابی کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟ انسان کو اس کے لیے اپنے مقاصد کا تعین کر کے ان کے حصول کے لیے صحیح راہِ عمل اختیار کرنی ہوگی۔ ایسا وہ کیونکر کرسکتا ہے؟ اس کے لیے اسے ایک ایسی ہدایت کاملہ کی ضرورت

ہے جو اسے بتا سکے کہ کامیابی کس عقیدے اور کس طریق کو اختیار کرنے سے ہے‘ اور وہ طریق اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت میں ہے‘ کیوں کہ وہ اسی کی بدولت اس ہدایت سے پوری طرح مستفید ہوسکتا ہے۔

ریاضتِ نفس کی کوئی بڑی سے بڑی کوشش بھی یہاں کوئی کارکردگی نہیں دکھا سکتی‘ کیوں کہ انسان اپنے باطن کو مانجھ کر چاہے کیسا ہی آئینہ کیوں نہ بنا لے‘ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام و مرضیات کا عکس آپ سے آپ ہرگز دکھائی نہیں دے سکتا۔ آئینہ میں کسی چیز کا عکس پڑنے کے لیے یہی کافی نہیں کہ آئینہ صاف اور چمک دار ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ چیز کھلی شکل میں اس کے سامنے ہو اور قریب موجود ہو‘ ورنہ آسمان پر چمکتا چاند تو گھر کے صحن میں رکھی پانی سے بھری تھالی میں بھی اتر آتا ہے‘ مگر کیا وہ سچ مچ اتر آتا ہے؟ ہرگز نہیں‘ یہ محض ہمارا فریب نظر ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ جب تک خود ہی اپنے احکام کا تعین کر کے انہیں وجود میں نہ لائے اور وجود میں لا کر قلب انسان کے سامنے نہ رکھ دے‘ لاکھ صاف اور چمک دار ہونے کے باوجود بھی اس کے اندر ان کی چھاپ نہیں پڑ سکتی۔ چناں چہ انسانی عقل‘ اس کا وجدان دنیا اور آخرت کی زندگی کی گتھیوں کو نہیں سلجھا سکتے‘ اس لیے عاجزی و انکساری‘ فروتنی‘ تذلل اور درماندگی کے شدید احساس کے ساتھ خالقِ ارض وسماء اور فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی کے سامنے گھٹنے ٹیک کر الحاح وزاری کی جائے کہ مولا! مجھے وہ راہ سجھا دے جس میں تیری رضا اور خوشنودی ہو۔ میرے لڑکھڑاتے قدموں کو استقامت عطا فرما‘ مجھے منتشر خیالات‘ پراگندہ ذہن‘ ژولیدہ حالی سے نجات دے اور میرے ایمان کے سیمابی پن کو اپنے قدرت کاملہ سے ٹھیراؤ عطا فرما دے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ!

کتابیات

(۱) قرآنِ حکیم‘ ترجمہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

(۲) حکایتِ یوسفؑ اور ہم‘ سلیم احمدؒ (۳) حکمت اقبال‘ ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ

(۴) اسلامی تصورِ زندگی‘ سیّد اسعد گیلانیؒ (بحوالہ: سیارہ ڈائجسٹ‘ چودہ صدیاں نمبر)

(۴) فلسفہ‘ مولانا ابوالکلام آزادؒ (۵) اسلام اور فلسفہ‘ خان محمد چاولہ

(۶) اسلام کا نظریۂ حیات‘ پروفیسر خورشید احمد

مختصر یہ کہ آپ اُس جماعت کی امامت کر رہے ہیں جس نے اپنے فکری اکابرین کی چار سو سالہ مساعی کی مشعل تھامی ہوئی ہے۔ البتہ یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ رفتار سست ہے‘ رفقاء کو متحرک کرنے اور مشعلوں کو تیز کرنے کی بھاری ذمہ داری آپ کے کندھوں پر ہے۔ اِس کے لیے جُہدِ مسلسل‘ عزم صمیم اور ناقابلِ شکست اعصاب کا ہونا ناگزیر ہے۔ ہمیں یقین ہے آپ اِن چیلنجوں کو قبول کریں گے اور سرخرو ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کا اور ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلام کا قلعہ بنانے میں ہماری غیبی مدد فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین!

۲۰۰۳ء میں حافظ عاکف سعید صاحب کے تنظیم اسلامی کی امارت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد ۲۵ تا ۲۷ دسمبر ۲۰۰۳ء کو ملتزم رفقاءِ تنظیم کا کُل پاکستان اجتماع قرآن اکیڈمی کراچی میں منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے رفقاءِ تنظیم کے نام اپنا جو تحریری پیغام پیش فرمایا‘ وہ میثاق کے شمارہ جنوری ۲۰۰۴ء میں شائع کیا گیا تھا۔ یہ بصیرت افروز پیغام پیش نظر شمارہ میں مکرر شائع کیا جا رہا ہے۔ مزید برآں شمارہ ہذا میں بانی محترم کی ایک فکر انگیز تحریر ’’تحریک اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ: یا چناں کن یا چنیں!‘‘ بھی قندِ مکرر کے طور پر شائع کی جا رہی ہے۔

احادیثِ نبویہؐ میں زمانہ قربِ قیامت میں ایک نہایت خونریز جنگ (الملحمۃ العظمیٰ) کا ذکر ملتا ہے۔ اِس وقت عالمی حالات اسی رخ پر جاتے نظر آ رہے ہیں۔ پروٹسٹنٹ عیسائیوں میں سے Evengelists کا ایجنڈا وہی ہے جو صہیونیوں (Zionists) کا ہے۔ ان دونوں کے نزدیک عظیم جنگ Armageddon جلد از جلد واقع ہونی چاہیے‘ جس کے نتیجے میں ’’عظیم تر اسرائیل‘‘ قائم ہو جائے گا۔ اس جنگ کو آخری صلیبی جنگ (The Last Crusade) کا نام بھی دیا جا رہا ہے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنے خطابات میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ شمارہ ہذا میں اس موضوع پر جناب رضی الدین سیّد کا ایک مختصر مگر فکر انگیز مضمون شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

فلسطین میں ایک نئی خونی جنگ

”آرمیگاڈون“

عیسائیوں اور یہودیوں کا گٹھ جوڑ!

رضی الدین سیّد (کراچی)

سب کو معلوم ہے کہ اپنے مسیحا کے قتل کے الزام میں عیسائی قوم گزشتہ دو ہزار سال سے یہودیوں کی جانی دشمن بنی رہی ہے۔ اسی باعث انہوں نے یہودیوں کو زندگی بھر رگیدا‘ ان کے خون کے پیاسے بنے رہے‘ اور ریاست کے اندر ریاست بنانے کا مجرم ٹھہرا کر پورے یورپ سے مار بھگایا۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ اب خود عیسائی ہی‘ اسرائیلی استحکام و استقلال کے یہودیوں سے زیادہ بڑھ کر وکیل بن گئے ہیں اور انہوں نے اسے اپنا جدید ایمانی عقیدہ بنالیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اسرائیل اور یہودیوں کے تحفظ کے لیے ہمیں ان سے زیادہ بڑھ چڑھ کر جدّوجُہد کرنی چاہیے۔ ۱۹۴۹ء میں جبکہ امریکی صدر ٹرومین نے اسرائیل کو تسلیم کیا تھا‘ حیرت انگیز طور پر عیسائیوں کی مانند خود یہودی بھی اسرائیل کے قیام سے خوش نہیں تھے۔ لیکن بااثر یہودیوں نے صدر ٹرومین کے کان بھر کر انہیں یہودیوں کا فوری ہمدرد بنا دیا۔

گزشتہ دو عشروں سے امریکہ میں اب عیسائیوں کا ایک نیا مذہبی طبقہ پیدا ہو گیا ہے: ”نَو جنم شدہ“ عیسائی! عیسائیوں کے ”مبشراتی پادری“ (Evnegilacal Priests) اپنے ہم مذہبوں پر زور دے رہے ہیں کہ انجیلوں کی رو سے اسرائیل جب تک قائم و مضبوط نہیں ہوتا‘ حضرت عیسیٰ کی دوبارہ واپسی‘ اور عیسائیوں کی نجات ممکن نہیں ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ یہ مبشراتی عقیدہ بڑھتے بڑھتے تمام امریکہ میں حاوی ہو گیا ہے‘ یہاں تک کہ ان کے بعض صدور مثلاً ریگن‘ کارٹر اور بش بھی اس عقیدے کے پُرجوش مبلغ بن گئے تھے یا بنے ہوئے ہیں۔ ان

کے نئے عقیدے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انجیلوں کی رو سے یروشلم (بیت المقدس) میں ایک آخری خونی جنگ Armageddon برپا ہونی باقی ہے‘ جس کو جلد از جلد بھڑکانا بھی ہماری مذہبی ذمہ داری ہے۔ ان کے بقول ”خیر و شر کی اس جنگ میں اتنا خون بہے گا کہ گھوڑوں کی کمروں تک پہنچ جائے گا“۔ امریکی عیسائیوں کی ایک بہت بڑی تعداد اب اس جنگ کو اپنی زندگی ہی میں برپا ہوتے دیکھنا چاہتی ہے۔ وہ خواہش مند ہیں کہ اپنے مسیحا عیسیٰ علیہ السلام کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں اور ان سے جنّت کے اندر پہنچائے جانے کی سند زندگی ہی میں حاصل کر لیں۔

مبشراتی پادریوں نے ”آرمیگاڈون جنگ“ کے لیے ایک نیا عقیدہ یہ بھی گھڑا ہے کہ جو عیسائی اس عقیدے پر ایمان رکھے گا‘ صرف اُسی کو حضرت عیسیٰؑ نجات دلائیں گے۔ ایسے عیسائی افراد کو امریکہ میں Born Again (نَو جنم شدہ) عیسائی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ آرمیگاڈون کی اس ”مقدّس“ جنگ کے دوران ’بورن اَگین عیسائیوں‘ کو عیسیٰ مسیح آسمان میں اٹھالیں گے جہاں سے وہ خیر و شر کی‘ زمین پر برپا جنگ کا خونی منظر تخت پر بیٹھے آرام سے دیکھا کریں گے۔ واضح رہے کہ یہ خونی جنگ عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان نہیں بلکہ یہودیوں اور ”کافر قوموں“ (خصوصاً مسلمانوں) کے درمیان واقع ہوگی۔ اسی لیے تمام مذہبی عیسائی آرمیگاڈون برپا کروانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ آسمانوں کے اس ”نوتصنیف نجاتی عقیدے“ کا نام انہوں نے Rapture (فضائی نجات) رکھا ہے۔ انجیل جان ۳: ۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ایک ہدایت درج ہے کہ ”مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ آدمی کو دوبارہ پیدا ہونا چاہیے‘ کیونکہ اگر وہ دوبارہ پیدا نہیں ہوتا تو وہ اللہ کی بادشاہی میں نہیں رہ سکتا“۔ عیسائی گرجاؤں نے اس سے ایک بالکل نیا عقیدہ گھڑ لیا۔ اور اب اسی نئے عقیدے کو وہ تمام عیسائی دنیا میں زبردستی پھیلا رہے ہیں۔ ہدایت کا صاف مطلب ہے کہ انسان خود کو اندر سے تبدیل کر کے خدا کے ساتھ جوڑ لے۔ ان کے نزدیک یہ کوئی عقیدہ نہیں ہے بلکہ ایک عمومی ہدایت ہے۔

اگر کبھی ان ایونجیلیکل (مبشراتی) پادریوں سے سوال کیا جائے کہ ان کا یہ منصوبہ کیا بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی نہیں کہلائے گا؟ تو سوال کرنے والے کا مُنہ وہ یہ کہہ کر بند کر دیتے ہیں کہ ”ہم بائبل کے عالم اور علومِ دین کے ماہر ہیں‘ اس لیے ہماری بصیرت کے مطابق خدا کا قانون امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے قوانین سے بالاتر ہے“۔ یہ باتیں وہ گرجاؤں اور

ٹی وی چینلز پر کھلے عام کرتے ہیں مگر ان کا مواخذہ کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ مسجد اقصیٰ کو وہ جگہ جگہ بنیادوں سے کھودتے رہتے ہیں تاکہ ہیکل کا ڈھانچہ تلاش کیا جاسکے۔ اس ضمن میں وہ مصنوعی کارروائیاں بھی کرتے رہتے ہیں۔ مسجد کے نمونے کے ماڈل بنا کر وہ جعلی فضائی حملے کرتے ہیں تاکہ دیکھا جاسکے کہ وہ کس رخ کی طرف زیادہ گرے گی۔ گاہے گاہے فلسطینی مسلمان مسجد کی بنیادوں کو کھودے جانے پر بھرپور مظاہرے بھی کرتے ہیں۔ یہودیوں کی فطرت ہے کہ وہ اپنے شیطانی منصوبے کئی عشرے بلکہ ایک صدی قبل سے تیار رکھتے ہیں۔ تاہم اس کے عملدرآمد کو یقینی بھی بناتے ہیں۔ یورپی ممالک کو انتہائی خونریز جنگوں میں باہم ٹکرا دینا‘ خلافتِ عثمانیہ کو سات آٹھ سے زائد ٹکڑوں میں بانٹ دینا‘ اور نیا عالمی نظام نافذ کر دینا ان کے کمالات میں سے ایک ہے۔ واضح رہے کہ صہیونیوں نے خود ویٹی کین روم میں بھی اپنے نظریات داخل کر دیے ہیں جس کے باعث ان کی جان کے صدیوں کے دشمن عیسائی بھی اب ان کے ہمنوا ہو گئے ہیں۔ حیرت کی بات یہ بھی ہے کہ پاپائے اعظم نے ۱۹۶۰ء میں یہودیوں پر سے اپنے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کرنے کا جرم بھی سرکاری طور پر یہ کہہ کر معاف کر دیا ہے کہ یہ جرم ان کے آباء واَجداد نے کیا تھا‘ اس لیے موجودہ یہودی اس الزام سے بَری ہیں۔

لیکن خود انہی کی بائبل اس بارے میں کچھ دوسرا بیان دیتی ہے۔ انجیل متی باب ۲۷‘ آیت ۲۴‘ ۲۵ میں درج ہے کہ ’’یہودی اونچی آواز سے چیختے ہوئے کہنے لگے: اس کو صلیب پر چڑھا دو۔ لوگوں کے خیالات کو بدلنا مجھ سے ممکن نہیں ہے۔ اس بات کو جانتے ہوئے اور اس بنیاد پر کہ یہ لوگ فساد پر اتر آئیں گے‘ پیلاطس (گورنر) نے تھوڑا سا پانی لیا اور تمام لوگوں کے سامنے اپنے ہاتھوں کو دھوتے ہوئے کہا: اس آدمی کی موت کا میں ذمہ دار نہیں ہوں‘ کیوں کہ تم ہی لوگ ہو جو اس کے ذمہ دار ہو۔ تمام لوگوں نے جواب دیا کہ اس کی موت کے ہم ہی ذمہ دار ہیں۔ اور اس کی موت کے لیے بطور سزا کے کچھ مقرر ہوا تو اس کو ہم اور ہماری اولاد بھگت لیں گے‘‘۔ چنانچہ اس بیان کے بعد یہودیوں کی اولاد کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مفروضہ پھانسی سے کیسے بَری کیا جاسکتا ہے؟

اس تمام جنگی جنون اور نئے عقیدے کا تفصیلی جائزہ سابق صدر جانسن کی تقریر نویس ’’گریس ہالسیل‘‘ نے اپنی کتاب ’’Hand's Forcing God‘‘ میں کیا ہے‘ جسے راقم نے ’’خوف ناک جدید صلیبی جنگ‘‘ کے نئے نام سے شائع کیا ہے۔ ان نئے عقائد کا پرچار کرنے

والے پادریوں کو مصنفہ (جو خود ایک عیسائی خاتون ہے) ’طنزاً مفاد پرست عیسائی پادری‘ کہتی ہے۔ صہیونیوں اور عیسائیوں کی ان چالوں کو بعض اور مصنفوں نے بھی اپنی کتابوں میں بہت کھول کر بیان کیا ہے‘ جن میں سے کچھ کا ترجمہ راقم نے اپنے ہم وطنوں کی باخبری کے لیے شائع کیا ہے۔

سو ایسے متعصّبانہ و سازشی پس منظر میں جہاں فلسطینی مسلمانوں کو زمین سے یکسر نیست و نابود کرنے کے لیے نئے نئے عقائد گھڑ لیے گئے ہوں‘ جہاں عیسائی خود یہودیوں سے بھی بڑھ کر یہودی ثابت ہو رہے ہوں‘ اور جو گروہ عالمی خونی جنگ کو از خود جلد از جلد برپا کروانا چاہتا ہو‘ فلسطینیوں اور مظلوموں کے مفاد کا خیال کس کو رہتا ہے؟ عیسائی‘ امریکی‘ اور مسلم جب سارے ہی حکمران غاصب و قبضہ گیر یہودیوں کے آلۂ کار بن جائیں تو فلسطین کا سوال تو اَز خود ہی گم ہو جاتا ہے۔ زمانے کا یہ کیسا ستم ہے کہ وہ عرب حکومتیں جو کبھی اسرائیل کی بدترین دشمن اور فلسطینیوں کی مددگار ہوا کرتی تھیں‘ عالمی جنگی گروہ صہیونیوں کے آگے اب وہ بھی سجدہ ریز ہو گئی ہیں۔ سو اُن کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا اب کون اور کہاں سے سامنے آئے گا؟ زمینی حقائق تو ان فلسطینیوں کے بالکل خلاف جا رہے ہیں! عالمی طاقتوں کے نزدیک ’’انصاف صرف وہی ہے جسے وہ خود انصاف کہیں‘‘۔ سچی بات تو یہی ہے کہ ؎

عالم ہے مکدّر‘ دل نہیں صاف ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے مگر انصاف نہیں ہے!

واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی آخری وقت میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک خونی جنگ ’’اَلمَلحَمَۃُ الکُبریٰ‘‘ کی پیش گوئی کی ہے جس میں مسلمانوں کا بہت زیادہ خون بہے گا۔ کئی عیسائی طاقتیں اس جنگ میں ان کے خلاف متحد ہوں گی۔ ابتدا میں تو مسلم و عیسائی دونوں قوتیں باہم مل کر کسی اور قوت سے جنگ کر رہی ہوں گی لیکن اچانک مسلمانوں سے غداری کر کے عیسائی الٹا انہی کے خلاف جنگ چھیڑ دیں گے۔ تاہم نبوی پیشین گوئی کے مطابق آخری فتح بہرحال مسلمانوں ہی کی ہوگی۔ ادھر جیسا کہ آپ نے اوپر مطالعہ کیا‘ اسی طرز کی مذکورہ بڑی وخونی جنگ کی پیشین گوئی انجیلی صحیفوں میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں جنگیں ایک ہی ہیں۔ عیسائی اس جنگ کو ’’آرمیگاڈون‘‘ کہتے ہیں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے ’’اَلمَلحَمَۃُ الکُبریٰ‘‘ (شدید ترین خونی جنگ) قرار دیا ہے۔

مسلم معاشروں میں لڑکیوں کی بغاوت؟

اسباب وعلاج(۵)

ابوکلیم مقصودالحسن فیضی

حفاظتی اقدامات

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۷) خوشبو لگا کر باہر نہ نکلیں (۸۸)

عورتوں کی عصمت وعفّت کی حفاظت اور معاشرے کو فواحش ومنکرات سے بچانے کے لیے شریعت نے ایک اصول یہ بھی رکھا ہے کہ عورتیں خوشبو لگا کر باہر نہ نکلیں کیونکہ خوشبو عموماً جنسی جذبات وشہوت کو ابھارتی اور مَردوں کی توجّہ کو اپنی طرف مبذول کرتی ہے' خصوصاً بعض قسم کی خوشبوئیں ایسی ہوتی ہیں جو جنسی جذبات کو بھڑکانے کی عجیب تاثیر رکھتی ہیں اور آج کا مادّہ پرست ذہن ''عورتوں کی خوشبو'' کے نام سے اسے بازار میں پیش کر رہا ہے' اس لیے ایسی ہر عورت پر سخت وعید آئی ہے جو خوشبو لگا کر باہر نکلتی ہے' چنانچہ حدیث میں ایسی عورت کو زانیہ یعنی زنا کی طرف دعوت دینے والی کہا گیا ہے۔(۸۹) اور مسجد جہاں حاضری کے لیے زینت اختیار کرنے کا حکم قرآن میں ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد کو پاک صاف اور خوشبو سے معطر رکھنے کا حکم دیا ہے'(۹۰) وہاں حاضری کے لیے بھی عورتوں کو خوشبو سے سختی کے ساتھ روکا ہے' چنانچہ ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِذَا خَرَجَتْ اِحْدَاكُنَّ اِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا تَقْرَبَنَّ طِيْبًا))(۹۱)

''تم میں سے جو عورت مسجد کے لیے نکلے تو وہ خوشبو کے قریب بھی نہ پھٹکے۔''

حضرت موسیٰ بن یسار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ایک ایسی عورت کا گزر ہوا جس کے جسم سے خوشبو پھیل رہی تھی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: اے ''جبار'' کی بیٹی! کیا تُو مسجد کا ارادہ رکھتی ہے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا: کیا تُو نے مسجد جانے کے لیے خوشبو لگا رکھی ہے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں' میں نے مسجد میں حاضر ہونے کے لیے ہی خوشبو لگائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واپس جاؤ اور غسل کر کے آؤ' کیونکہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

((مَا مِنِ امْرَأَةٍ تَخْرُجُ اِلَى الْمَسْجِدِ تَعْصِفُ رِيْحُهَا فَيَقْبَلَ اللّٰهُ مِنْهَا صَلَاةً حَتّٰى تَرْجِعَ اِلٰى بَيْتِهَا فَتَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ))(۹۲)

''جو عورت مسجد کے لیے نکلے اور اس نے ایسی خوشبو لگا رکھی ہو جو پھیل رہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز اس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک وہ واپس جا کر جنابت کی طرح (اچھی طرح) غسل نہ کر لے۔''

یہیں سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ جب مسجد میں آنے کے لیے خوشبو کا استعمال جائز نہیں ہے تو بازاروں' پارکوں' عام محفلوں اور دفتروں میں خوشبو لگا کر جانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

مجھے ایک ایسے نوجوان کے بارے میں بتلایا گیا جو اپنی بڑی بہن کے گھر میں رہائش پذیر تھا' اور صبح کو جب کالج جانے لگتا تو اپنی گاڑی سے اپنی نوعمر بھانجی کو بھی اسکول پہنچا دیتا تھا۔ ایک دن راستے میں شیطان کے ورغلانے پر اُس نے بھانجی سے چھیڑ خانی کی۔ بھانجی نے واپس آ کر یہ قصّہ اپنی ماں کو بتلا دیا۔ ماں کو ایک طرف حیرت اور دوسری طرف سخت غصہ آیا کہ اس نوجوان نے کس قدر بے غیرتی اور نمک حرامی کا ثبوت دیا' کیونکہ اولاً تو وہ اس کی بھانجی تھی' دوسرے وہ اُس کے گھر میں رہائش پذیر تھا' چنانچہ ماں نے اپنے چھوٹے بھائی کو غیرت وشرم کا حوالہ دے کر کہا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ اپنے گھر میں رکھنے کا تم نے مجھے یہی صلہ دیا؟ اس نوجوان نے جو جواب دیا تھا اس سے ہر ماں باپ کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اُس نے کہا کہ اس میں میری کوئی غلطی نہیں ہے' غلطی آپ ماں بیٹی کی ہے کہ جب ہر صبح آپ اسے اچھی طرح سے مزیّن کر کے اور عمدہ خوشبو لگا کر رخصت کرتی ہیں تو اس کے انجام پر توجّہ کیوں نہیں دیتیں؟

(۸) اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں

زینت سے مراد بناؤ سنگھار اور آرائش ہے' جیسے زیور' خوبصورت لباس یا اسی طرح کی باقی چیزیں جن کا استعمال عورتیں اپنے حسن و جمال میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے کرتی ہیں۔

بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ عورت اگر سادی اور طبعی حالت پر ہے تو اس کی طرف لوگوں کی توجّہ کم ہوتی ہے' جبکہ دوسری عورت خواہ خوبصورت نہ ہو لیکن اگر اس نے اپنے آپ کو بناوٹی حسن سے مزین کر رکھا ہے تو لوگوں کی توجّہ کا مرکز بن جاتی ہے' اس لیے شریعت نے عورت کو اظہارِ زینت سے منع فرمایا ہے' چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ (الاحزاب:۳۳)

''اور سابق دورِ جاہلیت کی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔''

اس آیت میں اُمّہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو تبرج (اپنی زینت کے اظہار) سے روکا گیا ہے اور انہی کے واسطے سے تمام مسلمان عورتوں کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ جس طرح زمانۂ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ نکلتی تھیں' ان کے چہرے اور سر کھلے ہوتے تھے' ان کے سینے پر دوپٹے کا آنچل نہیں ہوتا تھا' ان کا گریبان کھلا اور سینے کا بالائی حصہ ظاہر رہا کرتا تھا' ان کی پوشیدہ زینتیں ظاہر رہا کرتی تھیں' اب اسلام کے آجانے کے بعد ایسا نہیں ہونا چاہیے' بلکہ اگر باہر نکلنا ہے تو آدابِ پردہ کا لحاظ کر کے ہر قسم کے ظاہری بناؤ سنگھار سے پرہیز کرتے ہوئے نکلنا چاہیے۔

علّامہ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں کہ تبرج یہ ہے کہ عورت اپنی وہ زینت اور جمال و خوبصورتی جس کا چھپانا واجب ہے ظاہر کرے' جس کے دیکھنے سے مَردوں کی شہوت ابھرتی ہو۔ (۹۳)

اور ایک جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ

يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ﴾ (النور:۳۱)

''اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں' اور وہ اپنی زینت نہ ظاہر کریں مگر اِن لوگوں کے سامنے: شوہر' باپ' شوہروں کے باپ' اپنے بیٹے' شوہروں کے بیٹے' بھائی' بھائیوں کے بیٹے' بہنوں کے بیٹے' اپنے میل جول کی عورتیں' اپنے مملوک' زیر دست مرد جو شہوت نہ رکھتے ہوں' اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔''

مذکورہ آیت میں دو قسم کی زینت کا ذکر آیا ہے:

(۱) ایک وہ زینت جس کا چھپانا مشکل ترین کام ہے' جیسے کپڑے' راستہ دیکھنے کے لیے آنکھ' لین دین کے لیے ہتھیلی اور چلتے وقت پاؤں وغیرہ۔ اسی حکم میں آنکھوں کا سرمہ' انگلی کی انگوٹھی اور ہاتھ کی مہندی وغیرہ بھی داخل ہے۔

(۲) دوسری وہ زینت جسے صرف محرم مَردوں یا زرخرید غلاموں وغیرہ کے سامنے ظاہر کرنے کی اجازت ہے' جیسے کلائی اور اس کی چوڑیاں' چہرہ اور کان ناک کے زیور وغیرہ۔

جہاں تک پہلی زینت کا تعلق ہے تو اس کا اظہار ایک ناگزیر ضرورت ہے اور شرعی طور پر اس کے ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' البتہ ایسے موقعوں پر مَردوں کو حکم ہے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اسے بچائیں۔ اور جہاں تک دوسری زینت کا تعلق ہے غیر محرم و اجنبی مَردوں کے سامنے اس کے اظہار کی اجازت نہیں ہے' وہ غیر محرم مرد خواہ عزیز و اقارب ہوں' دوست و ساتھی ہوں یا کوئی اور۔

یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ بعض عورتیں اپنا چہرہ تو چھپائے ہوتی ہیں لیکن ان کی کلائی اور اس میں پہنا ہوا زیور ظاہر اور لوگوں کو دعوتِ نظارہ دے رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض عورتیں اپنا چہرہ تو چھپائے ہوتی ہیں لیکن ان کا برقع اس قدر تنگ ہوتا ہے کہ ان کے انگ انگ خاص کر سینہ اور کمر واضح رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض عورتیں اپنے چہرے پر پردہ کیے رہتی ہیں لیکن پیچھے سے ان کے بال صاف ظاہر رہتے ہیں وغیرہ۔ اسی طرح بعض عورتیں اپنے چہرے کو چھپائے رکھنے کے باوجود ''اظہارِ زینت'' کے گناہ کا ارتکاب کرتی ہیں' حالانکہ یہ ایسی اہم چیز ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بسا اوقات صحابیات رضی اللہ عنہن سے ان باتوں پر بیعت لی تھی اور انہیں خصوصی حکم دیا تھا کہ اپنی زینت کو ظاہر کرتی نہ پھریں گی۔ چنانچہ مسند احمد میں حضرت اُمیمہ بنت

رقیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب وہ اسلام پر بیعت کے لیے خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أُبَايِعُكِ عَلٰى أَلَّا تُشْرِكِيْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقِيْ، وَلَا تَقْتُلِيْ وَلَدَكِ، وَلَا تَأْتِيْ بِبُهْتَانٍ تَفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ يَدَيْكِ وَرِجْلَيْكِ، وَلَا تَنُوْحِيْ، وَلَا تَبَرَّجِيْ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى))(۹۴)

''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا' چوری نہ کرنا' اپنے بچوں کو قتل نہ کرنا' اپنے ہاتھوں پیروں کے آگے کوئی بہتان نہ گھڑنا' نوحہ نہ کرنا' اور سابقہ جاہلیت کی سج دھج سے بچنا۔''

(۹) پوشیدہ زینت کے اظہار پر پابندی

پوشیدہ زینت سے مراد ہر ایسی حرکت ہے کہ عورت پردہ یا آڑ میں رہنے کے باوجود مَردوں کی توجّہ اپنی طرف مبذول کرلے' جیسے زیور کی آواز' سریلی آواز' پازیب اور چوڑیوں کی جھنکار وغیرہ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ط﴾

(النُّور:۳۱)

''اور زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے۔''

اس حکم میں ہر وہ حرکت و آواز داخل ہے جس سے مَردوں کی توجّہ عورتوں کی طرف منتقل ہو جائے' جیسے اونچی سینڈل کی آواز' سریلی آواز' زیور کی جھنکار وغیرہ' کیونکہ اس قسم کی ہر آواز سے فطری طور پر مرد اِن آوازوں کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں اور پھر مختلف قسم کے خیالات و جذبات دل میں انگڑائیاں لینے شروع کر دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے شریعت نے نماز میں امام کو متوجّہ کرنے کے لیے عورتوں کو تسبیح (سبحان اللہ کہنے) کی بجائے تصفیق (یعنی ہتھیلی بجانے) کا حکم دیا ہے' جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اَلتَّسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ))(۹۵)

''مَردوں کو سبحان اللہ کہنا چاہیے اور عورتوں کو ہتھیلی بجانا چاہیے۔''

اسی چیز کو مدِّنظر رکھتے ہوئے علماء کا کہنا ہے کہ عورت کے لیے اذان و اقامت کہنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی حج و عمرہ کے موقع پر مَردوں کی موجودگی میں وہ بلند آواز سے تلبیہ پڑھے گی۔

قابلِ غور بات ہے کہ جب اذان و اقامت اور با آواز تلبیہ وغیرہ عورت کے لیے جائز نہیں ہے تو اس کا گانا گانا' غزل پڑھنا' حمد و نعت پڑھنا نیز لحن اور سریلی آواز سے لوگوں کے سامنے قرآن پڑھنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

(۱۰) بغیر محرم کے سفر پر پابندی

عورت فطری طور پر کمزور' جذباتی اور کم عقل پیدا کی گئی ہے' اس لیے اس کی حفاظت ضروری اور فطری امر ہے' اسی لیے مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کی حفاظت اور اس کی نگرانی کرے۔ سچ کہا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہ:

((خُلِقَ الرَّجُلُ مِنَ الْأَرْضِ فَجُعِلَتْ نَهْمَتُهٗ فِي الْأَرْضِ، وَخُلِقَتِ الْمَرْأَةُ مِنَ الرَّجُلِ فَجُعِلَتْ نَهْمَتُهَا فِي الرَّجُلِ، فَاحْبِسُوْا نِسَاءَكُمْ))(۹۶)

''اللہ تعالیٰ نے مرد کو زمین سے پیدا کیا اور اس کی خواہش و حاجت زمین میں رکھ دی' اور عورت کو مرد سے پیدا کیا اور اس کی حاجت و خواہش مرد کے اندر رکھ دی' لہٰذا تم عورتوں کو روکے رکھو (ان کی حفاظت کرو)۔''

عورت کی حفاظت اور اس کی عصمت و عفّت کی حفاظت کے پیشِ نظر اسلام نے تاکیدی حکم دیا ہے کہ کوئی عورت بغیر ایسے محرم کے سفر نہ کرے جو اس کی حفاظت کر سکتا ہو اور اس کے جذبات کے سامنے روک بن سکتا ہو۔ چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

((لَاتُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ، وَلَا يَدْخُلُ عَلَيْهَا رَجُلٌ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ))(۹۷)

''کوئی بھی عورت کسی محرم کے بغیر سفر نہ کرے اور کوئی مرد کسی عورت کے پاس اس کے گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک عورت کا محرم اس کے پاس موجود نہ ہو۔''

اور ایک روایت میں ہے:

((لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ وَلَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْمَحْرَمٍ))(۹۸)

''کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہرگز نہ ملے اور نہ ہی کوئی عورت بغیر اپنے محرم کے سفر پر نکلے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سن کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میری بیوی حج کے لیے جا رہی ہے اور مجھے ایک غزوہ میں جانے کے لیے نامزد کر دیا گیا ہے (اب میں کیا

کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو!''

ایک اور حدیث میں یہ حکم مزید تاکید کے ساتھ بیان ہوا ہے' ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ مِنْ أَهْلِهَا))(۹۹)

''جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایک رات دن کا سفر بغیر کسی محرم کے کرے۔''

اس طرح کی بہت ساری حدیثوں میں عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے سے روکا گیا ہے' جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف جہاں عورت کی عصمت وعفت کی حفاظت ہو سکے اور اسے انسانی بھیڑیوں کے حملوں سے محفوظ رکھا جا سکے وہیں دوسری طرف یہ مقصد بھی ہے کہ خود اس کے قدم نہ بھٹکنے پائیں کہ جذبات میں آ کر کوئی ایسا قدم اٹھا لے جو اس کے اہلِ خانہ کے لیے عار وشنار (بے عزّتی وبدنامی) کا سبب بنے۔

قارئینِ کرام! اس حکم اسلامی سے روگردانی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا میں چاروں طرف ایسے حادثات کثرت سے پیش آ رہے ہیں کہ کوئی عورت سفر پر گئی تو واپس نہیں آئی اور کسی کے ساتھ دورانِ سفر زنا بالجبر کا واقعہ پیش آ گیا۔ پچھلے سال راجستھان کے مشہور شہر جودھپور میں ایک جرمن عورت کے ساتھ زنا بالجبر کا واقعہ پیش آیا۔ یہ عورت اپنے ملک سے تن تنہا سیاحت کی غرض سے ہندوستان آئی ہوئی تھی' جے پور کی سیاحت کے بعد وہ جودھپور آ رہی تھی' اسٹیشن پر اتر کر اس نے رکشا کیا' رکشا ڈرائیور اسے ہوٹل لے جانے کی بجائے اپنے کسی ساتھی کے ساتھ اسے کسی غیر آباد جگہ لے گیا جہاں دونوں نے مل کر اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا۔(۱۰۰)

ضلع کانپور گوبند نگر کی رہنے والی ایک لڑکی جھانسی شہر میں اپنے کسی رشتہ دار سے مل کر جھانسی پیسنجر ٹرین سے کانپور جا رہی تھی کہ راستے میں اسے دو بھائی دیپک اور منی لال نامی ملے' دونوں بھائیوں نے اسے دھوکہ دیکر بھیم سین اسٹیشن پر اتار لیا اور اپنے گھر لے گئے' جہاں دونوں نے باری باری اسے جنسی تشدد کا نشانہ بنایا۔ یہ سلسلہ کئی دنوں تک جاری رہا۔ بالآخر وہ لڑکی کسی طرح وہاں سے نکل کر بھاگی اور اپنے گھر گوبند نگر پہنچی۔(۱۰۱) پہنچی تو سہی لیکن کب؟ جب اپنا سب کچھ لٹا چکی تھی۔

یہ صرف دو واقعے نہیں ہیں' بلکہ اخبارات اور میگزین پڑھنے والے حضرات روزانہ ہی ایسی خبریں پڑھتے رہتے ہیں۔ اس وقت میرے سامنے متعدد ایسے واقعات اور کئی اخبارات کے تراشے موجود ہیں جن سے عورتوں اور ان کے نگران حضرات کی اس غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ اس طرح بعض واقعات ایسے بھی سامنے آتے ہیں کہ اکیلے سفر کرنے والی عورتیں راستے میں غیر مَردوں سے عشق ومعاشقہ شروع کر دیتی ہیں جس کا نتیجہ گھر کی بدنامی یا بربادی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ اس حکم میں ہر وہ نکلنا داخل ہے جہاں عورت کو حفاظت اور حمایت کی ضرورت ہو' خواہ وہ سفر طویل ہو یا مختصر' یا صرف اکیلے سیر وتفریح کے لیے نکلنا ہو۔

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ متعلقہ احادیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس سلسلہ میں وارد احادیث جو بظاہر مختلف ہیں(۱۰۲) لیکن اصل مقصد یہ ہے کہ ہر ایسا سفر جو عورت کے لیے غیر مامون وغیرہ محفوظ ہو اور اس کے لیے فتنہ کا خوف ہو' اس سفر کے لیے اس کا بغیر محرم کے نکلنا جائز نہ ہوگا''۔(۱۰۳)

(۱۱) نرم وشیریں بات سے پرہیز

اس سے مراد یہ ہے کہ عورت کسی اجنبی مرد سے بات کرتے ہوئے ایسے نرم وشیریں لہجہ یا ایسی لوچ دار آواز استعمال نہ کرے جو بات کو طول دینے کا جواز دیتی ہو' بلکہ اسے چاہیے کہ حسبِ ضرورت بولے اور بولنے میں بھی اس کے لہجہ میں سختی اور روکھا پن ہو' تاکہ اس سے بات کرنے والا شخص دل میں کسی غلط تمنّا کو جگہ نہ دے اور صرف ضروری بات پر ہی اکتفا کرے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو مخاطب کرتے ہوئے سورۃ الاحزاب میں فرماتا ہے:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۳۲﴾

''اے نبی (ﷺ) کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو' اگر تم پرہیز گاری اختیار کرو تو نرم لہجہ میں بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برائی خیال کر لے' اور ہاں تم قاعدے کے مطابق کلام کرو۔''

اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''یعنی ضرورت پیش آنے پر کسی مرد سے بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' لیکن ایسے مواقع پر عورت کا لہجہ اور اندازِ گفتگو ایسا ہونا چاہیے کہ جس سے بات کرنے والے مرد کے دل میں کبھی یہ خیال تک نہ گزر سکے کہ اس عورت سے کوئی اور توقع بھی قائم کی جاسکتی ہے' اس کے لہجہ میں کوئی لوچ نہ ہو' اس کی باتوں میں کوئی لگاوٹ نہ ہو' اس کی آواز میں دانستہ کوئی شیرینی گھلی ہوئی نہ ہو جو سننے والے مرد کے جذبات میں انگیخت پیدا کردے اور اسے آگے قدم بڑھانے کی ہمت دلائے۔ اس طرزِ گفتگو سے متعلق اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ یہ کسی عورت کو زیب نہیں دیتا جس کے دل میں اللہ کا خوف اور بدی سے پرہیزگاری کا جذبہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں یہ فاسقات وفاجرات کا طرزِ کلام ہے نہ کہ مومنات ومتقیات کا۔''

آگے مزید لکھتے ہیں:

''اب ذرا یہ سوچنے کی بات ہے کہ جو دین عورت کو غیر مرد سے بات کرتے ہوئے بھی لوچدار اندازِ گفتگو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اسے مَردوں کے سامنے بلاضرورت آواز سے بھی روکتا ہو' کیا وہ کبھی اس کو پسند کرسکتا ہے کہ عورت اسٹیج پر آکر گائے ناچے' بھاؤ بتائے اور ناز ونخرے دکھائے۔ کیا وہ اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ ریڈیو پر عورت عاشقانہ گیت گائے اور سریلے نغموں کے ساتھ فحش مضامین سنا سنا کر لوگوں کے جذبات میں آگ لگائے''۔ (۱۰۴)

حضرات! آج کے بقلم خود وبزبانِ خویش مہذّب بنے لوگوں کو یہ بات عجیب معلوم ہوگی کہ عورت کسی مرد سے جب بات کرے تو سوکھے لہجے میں بات کرے' غیر ضروری بات نہ کرے' ایسا کیوں؟ لیکن ایسے لوگوں کو یقین رکھنا چاہیے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورتوں کو لوچدار آواز سے منع فرمایا ہے تو اس میں بہت بڑی حکمت ضرور پوشیدہ ہے' خواہ وہ حکمت ہماری سمجھ میں آرہی ہو یا ہماری سمجھ سے باہر کی چیز ہو۔ نیز خود اللہ تعالیٰ نے اس کی بعض حکمتوں کی طرف اشارہ بھی فرمادیا ہے' وہ یہ کہ بیمار دل لوگ اس شیریں گفتگو سے آگے بڑھ کر کسی اور چیز کے طلب گار نہ بن جائیں۔

ہمارے ان بھائیوں کو اس بات پر تعجب ہے تو اس کی ایک طبعی وجہ یہ ہے کہ بعض وہ برائیاں جو عام ہوجاتی ہیں اور آہستہ آہستہ دل اور مزاج اس کا عادی ہوجاتا ہے تو اس کی قباحت لوگوں کے دلوں سے ختم ہوجاتی ہے' حتیٰ کہ عام لوگ اسے برائی نہیں سمجھتے' بلکہ بسا اوقات کبائر

ومہلکات کے مرتکب حضرات بھی لوگوں کو برے نہیں لگتے۔ بعینہٖ یہی حالت اس وقت نماز چھوڑنے' عورت کے بے پردہ گھومنے' اجنبی مَردوں سے کھلے عام گفتگو کرنے اور عورتوں کی نیم برہنہ تصویر' ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ان سے بات کرکے لذّت اندوز ہونے کی ہے کہ عام لوگوں کو یہ احساس بھی نہیں رہتا کہ ہم کوئی غیر شرعی کام کررہے ہیں۔

لیکن ایک سچے مسلمان کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ عالم الغیب والشہادۃ کا ہر حکم حکمت پر مبنی اور انسان کے لیے اس پر عمل باعث خیر وبرکت ہے۔ نیز بسا اوقات ایسے حادثات پیش آجاتے ہیں جو انسان کو چاروناچار یہ ماننے پر مجبور کردیتے ہیں کہ یہ الٰہی فیصلہ اپنی جگہ بالکل حق اور مبنی برحکمت ہے۔ چنانچہ ہم جہاں رہتے ہیں اس کے قریب میں ایک بار کسی عورت نے دیکھا کہ اس کا کوئی غیر محرم رشتہ دار لڑکا کسی لڑکی سے چھیڑ خانی کررہا ہے' اس نے براہِ نصیحت اسے ٹیلیفون پر منع کیا اور اس گندے فعل کے بُرے انجام سے ڈرایا۔ اس پر لڑکے نے بھی اپنی غلطی کا اعتراف کیا' اس عورت کا شکریہ ادا کیا اور یہ بھی کہا کہ میرے سامنے ایک مشکل مسئلہ ہے' اگر کسی سے پوچھ کر اسے حل کردیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ چنانچہ اس طرح ان دونوں میں ٹیلیفون پر باتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اور وہ محترمہ بھول گئیں کہ:

إِذَا رَأَيْتَ نُيُوْبَ اللَّيْثِ بَارِزَةً فَلَا تَظُنَّنَّ أَنَّ اللَّيْثَ يَبْتَسِمُ

''اگر تم شیر کے دانتوں کو کھلا دیکھو تو یہ نہ سمجھو کہ شیر مسکرا رہا ہے۔''

چنانچہ اس طرح دونوں کے باہمی تعلقات بڑھتے گئے جس کی ابتدا خالص خاندانی' دینداری اور اخلاص پر مبنی تھی۔ لیکن اب وہ محترمہ جو ناصح کی حیثیت سے سامنے آئی تھیں اور جس چیز سے اس لڑکے کو بچانا چاہتی تھیں اسی میں خود مبتلا ہوگئیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں اس غلط کام میں مبتلا ہوگئے جس کے لیے شریعت نے لوچدار آواز میں بات کرنے اور اجنبی مرد سے بات کو طول دینے سے منع فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسی بھی اجنبی شخص سے گفتگو کی جو حدود شریعت نے رکھی ہیں ان سے تجاوز کرنا خطرے کی گھنٹی ہے' اور ان حدود میں رہنا عصمت وعفت کی حفاظت ہے۔

(۱۲) غیر محرم کو ہاتھ لگانے یا چھونے سے پرہیز

فواحش ومنکرات پر روک تھام کے لیے شریعت نے ایک پابندی یہ بھی رکھی ہے کہ کسی مرد

کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر محرم عورت کو چھوئے اور ہاتھ لگائے' چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَأَنْ يُطْعَنَ فِيْ رَأْسِ أَحَدِكُمْ بِمِخْيَطٍ مِّنْ حَدِيْدٍ خَيْرٌ لَهٗ مِنْ أَنْ يَّمَسَّ امْرَأَةً لَا تَحِلُّ لَهٗ))(۱۰۵)

''تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی سوئی چبھو دیا جانا اس بات سے بہتر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔''

واضح رہے کہ جو چوٹ یا تکلیف سر کے جس قدر قریب ہوگی اسی قدر اس میں تکلیف شدید تر ہوگی اور پھر سر میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں اگر سوئی بھی چبھ جائے تو موت واقع ہوسکتی ہے۔ گویا کہ مفہومِ حدیث یوں بنا کہ شدید ترین تکلیف برداشت کرلو' موت کا خطرہ قبول کرلو' لیکن کسی غیر محرم عورت کو ہاتھ مت لگاؤ۔

اس حدیث اور دوسرے دلائل کی بنیاد پر ائمۂ اربعہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ غیر محرم عورت سے مصافحہ جائز نہیں ہے۔(۱۰۶)

قابلِ غور مقام ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جو ہر قسم کی ظاہری و باطنی خوبیوں کا مجموعہ تھے' ہر قسم کے گناہ سے پاک اور معصوم برحق تھے' آپ کا بھی یہ معمول رہا ہے کہ آپ نے کبھی کسی اجنبی عورت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے حالات سے سب سے زیادہ باخبر ذات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ یہ آیت پڑھ کر عورتوں سے زبانی بیعت لیتے ﴿لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا ....﴾(۱۰۷)۔ اور آپ ﷺ کے دست مبارک نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا' اِلّا یہ کہ وہ عورت آپ ﷺ کی ملکیت (وزوجیت) میں ہو۔(۱۰۸)

حضرت اُمیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مَیں چند عورتوں کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کے لیے حاضر ہوئی' ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپؐ سے اس بات پر بیعت کرتی ہیں کہ ہم شرک نہ کریں گی' چوری نہ کریں گی' زنا نہ کریں گی' اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گی' اور کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی۔ حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب ہم نے یہ الفاظ دہرائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ لو: ((فِيْمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ)) ''جہاں تک تمہارا بس چلے گا اور

تمہارے لیے ممکن ہوگا''۔ یہ سن کر ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہمارے لیے خود ہم سے زیادہ مہربان ہیں۔ اتنا ہوجانے کے بعد ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اپنا دستِ مبارک پھیلائیں تاکہ (مَردوں کی طرح مصافحہ کرکے) ہم بھی آپ سے بیعت کریں' لیکن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنِّيْ لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ' إِنَّمَا قَوْلِيْ لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِيْ لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ))(۱۰۹)

''مَیں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا' میرا ایک عورت سے بات کرنا گویا سو عورتوں سے بات کرنا ہے (عورتوں سے میں صرف زبانی عہد لیتا ہوں)۔''

ایک اور صحابیہ حضرت عقیلہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اور میری ماں فریرہ چند مہاجرہ عورتوں کے ساتھ خدمتِ نبوی ﷺ میں آپ ﷺ سے بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئیں۔ جس وقت ہم نے آپ ﷺ سے بیعت کی اُس وقت آپ ﷺ مقام ابطح میں خیمہ زن تھے' آپ ﷺ نے ہم سے آیت ﴿اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ﴾ کے مطابق بیعت لی۔ جب ہم نے ان باتوں کا اقرار کرلیا اور بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَا أَمَسُّ أَيْدِيَ النِّسَاءِ)) ''مَیں عورتوں کے ہاتھ نہیں چھوتا۔''

چنانچہ آپ ﷺ نے ہمارے لیے مغفرت کی دعا کی اور یہی ہماری بیعت تھی۔(۱۱۰)

خلاصہ یہ کہ اجنبی عورتوں سے مصافحہ اور ان کا چھونا جائز نہیں ہے' بلکہ یہ بھی زنا کا پیش خیمہ اور مقدّمہ ہے۔ کتنی ہی ایسی شریف زادیاں ہیں جو زنا کی غلاظت میں چھونے اور پکڑنے ہی سے پڑی ہیں' کتنے ہی ایسے گھر ہیں جو چھونے اور بوس وکنار ہی کے ذریعے برباد ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسلم معاشرہ کو زنا اور فواحش سے پاک صاف رکھے' اور اُن اسباب سے بھی محفوظ رکھے جو زنا کی سیڑھی بنتے ہیں۔ ہر مسلمان کی عزّت کی حفاظت فرمائے' بچوں اور بچیوں کو والدین کا مطیع اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ میری اس حقیری کوشش کو قبول فرمائے اور اسے میرے اور میرے والدین کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین!

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتِ' وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ!!

حواشی

(۸۸) شرعی پردہ کی شرائط میں جس خوشبو کا ذکر آیا ہے اس سے یہ عام ہے' کیونکہ اس کا تعلق خاص حجاب کو معطر کرنے سے ہے' اور یہ موضوع جسم یا عام کپڑوں کو معطر کرنے سے متعلق ہے' اس لیے کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ مضمون میں تکرار ہے' اسی پر بعد کے عنوان کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔

(۸۹) سنن ابی داؤد وغیرہ کے حوالہ سے یہ حدیث گزر چکی ہے۔

(۹۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں 'محلوں'' میں مسجد بنانے' انہیں پاک وصاف رکھنے اور معطر کرنے کا حکم دیا۔ (سنن ابی داود: ۴۵۵' الصلاۃ' سنن ابن ماجہ: ۷۵۸' المساجد' مسند احمد: ۲۷۹/۶ دیکھیے: صحیح الترغیب: ۲۳۱/۱)

(۹۱) صحیح مسلم: ۴۴۳' الصلاۃ' سنن النسائی: ۱۹۰/۸' مسند احمد: ۳۶۳/۶' بروایت زینب الثقفیہ رضی اللہ عنہا۔

(۹۲) سنن ابی داؤد: ۴۱۷۴' اللباس' سنن ابن ماجہ: ۴۰۰۲' الفتن' مسند احمد: ۲۴۶/۲' دیکھیے: الصحیحۃ: ۱۰۳۱۔

(۹۳) تفسیر فتح البیان: ۲۷۴/۷۔

(۹۴) مسند احمد: ۱۹۶/۲' معجم الطبرانی الکبیر (مجمع الزوائد ۳۷/۶) بروایت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما۔ مسند احمد کے محققین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے' دیکھیے: الصحیحۃ: ۴۳۷/۱۱۔

(۹۵) صحیح البخاری: ۱۲۰۵ العمل فی الصلاۃ' صحیح مسلم: ۴۲۲ الصلاۃ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

(۹۶) شعب الایمان للبیہقی: ۲۲۱/۱۰۔

(۹۷) صحیح البخاری: ۱۸۶۲' جزاء الصید' صحیح مسلم: ۱۳۴۱' الحج بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

(۹۸) صحیح البخاری: ۳۰۰۶' الجہاد' صحیح مسلم: ۱۳۴۱' الحج بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

(۹۹) موطأ امام مالک: ۱۷۹۰' ص ۶۹۴' مسند احمد: ۲۳۶/۲' بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

(۱۰۰) جریدۃ الریاض: ۱۳/ مئی ۲۰۰۵ء۔

(۱۰۱) انوکھی سچی کہانیاں: ص ۲۵' عدد ۴۷' سال پانچواں' ۲۰۰۶ء۔

(۱۰۲) حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ کا اشارہ اُن احادیث کی طرف ہے جن میں سے بعض میں تین دن کے

سفر کا ذکر ہے' کسی میں ایک دن رات کے سفر کا ذکر ہے اور بعض میں صرف ایک دن کا ذکر ہے اور بعض میں ایک ''برید'' کی مسافت کا ذکر ہے۔ ان احادیث کے لیے دیکھیے: جامع الاصول: ۲۴/۵' ۲۵' ۲۶' حدیث: ۳۰۰۱ تا ۳۰۱۴۔

(۱۰۳) التمہید لابن عبد البر: ۵۵/۲۱۔

(۱۰۴) تفہیم القرآن: ۸۹/۴' ۹۰۔

(۱۰۵) معجم الطبرانی الکبیر: ۲۱۲/۲۰' بروایت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ۔ دیکھیے: الصحیحۃ: ۲۲۶۔

(۱۰۶) المرأۃ المسلمۃ المعاصرۃ لاحمد بابطین: ص ۴۲۲۔

(۱۰۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اشارہ سورۃ الممتحنہ کی درج ذیل آیت کی طرف ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲﴾

''اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! جب مسلمان عورتیں آپ سے ان باتوں پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی' چوری نہ کریں گی' زنا کاری نہ کریں گی' اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے گھڑ لیں' اور کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی' تو آپ ان سے بیعت کر لیا کریں اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں' بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا معاف کرنے والا ہے۔''

(۱۰۸) صحیح البخاری: ۷۲۱۴' الاحکام' صحیح مسلم: ۱۸۶۶' الإمارۃ۔

(۱۰۹) مسند احمد: ۳۵۷/۶' سنن الترمذی: ۱۹۹۷' سنن النسائی: ۱۵۷/۷' دیکھیے: الصحیحۃ: ۵۲۹۔

(۱۱۰) معجم الطبرانی الاوسط: ۱۲۸/۷' حدیث (۶۲۲۵)' معجم الطبرانی الکبیر: ۳۴۲/۲۴' دیکھیے: صحیح الجامع: ۱۲۰۵/۲۔ ❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

نیکیوں کی دیمک — رِیا

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

لکڑی کے بنے ہوئے خوبصورت فرنیچر کو دیمک لگ جائے تو وہ اسے کھوکھلا کر دیتی ہے۔ اگرچہ ایک چیز بظاہر ٹھیک ٹھاک نظر آ رہی ہوتی ہے‘ مگر حقیقت میں وہ ضائع اور بے کار ہو چکی ہوتی ہے۔ یہی حال ریا کا ہے کہ وہ نیک عمل کو بے اثر کر دیتی ہے‘ حالانکہ بظاہر وہ نیک کام اچھا نظر آ رہا ہوتا ہے۔ عبادت سب سے بڑا نیک عمل ہے اور اگر اس میں بھی ریا آ جائے تو یہ عبادت بھی صفر ہو جاتی ہے۔ نیک کام کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اس سے اللہ کی رضا حاصل ہو‘ اس سے میزانِ عمل میں وزن بڑھ جائے اور نجات حاصل ہو جائے۔ یہی زندگی کا مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف وہ عمل قابل قبول ہے جو اللہ ربّ العزت کی خوشنودی کے لیے کیا جائے‘ خواہ وہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا۔ جس طرح دیمک کی کھائی ہوئی لکڑی بظاہر ٹھیک نظر آتی ہے مگر وہ بیکار ہو چکی ہوتی ہے‘ اسی طرح جو کام لوگوں کے دکھلاوے کے لیے کیا جائے‘ یعنی اس میں ریا آ جائے تو وہ عمل بے کار ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ریا کو شرک کہا گیا ہے کہ ریا کار شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے لوگوں کی رضا چاہتا ہے‘ حالانکہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر نیک کام اللہ کی رضا کے لیے کرے اور اپنے کیے ہوئے نیک عمل کو دکھاوا کر کے ضائع نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ یَسِیْرَ الرِّیَاءِ شِرْکٌ)) (ابن ماجہ‘ عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ)

’’بے شک معمولی ریا کاری بھی شرک ہے۔‘‘

نماز اعلیٰ ترین نیک عمل ہے مگر اس میں بھی ریا آ جائے تو یہ نیک عمل نجات کی بجائے سزا اور عذاب کا باعث بن جاتا ہے۔ سورۃ الماعون میں ارشادِ ربّانی ہے:

﴿فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝۴ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۵﴾

’’بربادی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لیے‘ جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔‘‘

غور کیجیے کہ جب ریا کاری کی نماز بھی مقبول نہیں تو دوسرے نیک اعمال کا کیا حال ہوگا۔ نماز تو بڑی بات ہے‘ معمولی سی نیکی بھی ریا کاری کے ساتھ ہو تو وہ بھی نامقبول ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ‘ وَمَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ‘ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ)) (مسند احمد‘ عن شداد بن اوس رضی اللہ عنہ)

’’جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا‘ اور جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اُس نے شرک کیا‘ اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ و خیرات کیا اس نے شرک کیا۔‘‘

عبادت اللہ کا حق ہے اور اس کے حق میں پُرخلوص نہ ہونا بھی شرک کے زمرے میں آتا ہے۔ اس حدیث میں تین چیزوں یعنی نماز‘ روزہ اور صدقہ و خیرات کا ذکر ہے‘ مگر یہ صرف مثال کے لیے ہے‘ وگرنہ جو عمل بھی دکھاوے کے لیے کیا جائے وہ نامقبول ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسا عمل لوگوں کے ہاں معزز و محترم بننے کے لیے کیا جاتا ہے یا اس سے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کرنا مطلوب ہوتا ہے۔

لوگوں کے دکھلاوے کے لیے کیا ہوا نیک عمل شرک ہے اور اس کا کرنے والا ثواب کے بجائے اللہ کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ (اپنے حجرۂ مبارک سے) نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ اُس وقت ہم لوگ آپس میں مسیح الدجال کا کچھ تذکرہ کر رہے تھے‘ تو آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا:

((اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَا هُوَ اَخْوَفُ عَلَیْکُمْ عِنْدِیْ مِنَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ؟)) فَقُلْنَا: بَلٰی! قَالَ: ((اَلشِّرْکُ الْخَفِیُّ اَنْ یَقُوْمَ الرَّجُلُ یُصَلِّیْ فَیُزَیِّنُ صَلَاتَهُ لِمَا یَرٰی مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ)) (رواہ ابن ماجہ)

’’کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لیے دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے؟‘‘ ہم نے عرض کیا: ضرور بتلائیں! آپ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ شرک خفی ہے (جس کی ایک مثال یہ ہے) کہ آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو‘ پھر اپنی نماز کو اس لیے مزیّن (اور لمبا) کر دے کہ کوئی اس کو نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے۔‘‘

گویا نماز جیسی اعلیٰ عبادت بھی ریا کارانہ ہو تو وہ بے نتیجہ ہو جاتی ہے۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ شرک صرف بتوں کی پوجا کا نام ہے‘ حالانکہ اللہ کا حق مخلوق کے

کسی فرد کو دینا بھی شرک ہے۔ ہم جو بھی نیک کام کرتے ہیں وہ اس لیے کہ اس کام سے اللہ راضی ہو جائے' لیکن جب ایسا نہ ہو بلکہ یہ نیک کام کرنے والا اللہ کے بجائے دوسروں کو خوش کرنا چاہ رہا ہو تو یہ بھی شرک ہے' کیونکہ ایسا کرنے والا لوگوں کو اللہ کے حق کے ساتھ شامل کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلمان بتوں کو تو نہیں پوجیں گے' بلکہ بے سمجھی میں وہ کام کریں گے جو شرکیہ ہوں گے۔ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ)) قَالُوْا: وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ ((اَلرِّيَاءُ)) (رواہ احمد)

''مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ 'شرکِ اصغر' کا ہے''۔ بعض صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شرکِ اصغر کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ریا (یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرنا)۔''

اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل کو کیونکر قبولیت حاصل ہوگی جس کے کرنے سے اللہ کے بجائے لوگوں کو خوش کرنا مطلوب ہو؟ وہ کام تو شرک ہی کہلائے گا' اور ایسا کام اللہ تعالیٰ سے کوئی اجر نہ پائے گا' بلکہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کا باعث ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ' فَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيَ غَيْرِيْ تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ: فَاَنَا مِنْهُ بَرِيءٌ هُوَ لِلَّذِيْ عَمِلَهُ))

(رواہ مسلم' عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ)

''میں شرک کرنے والوں کے شرک سے بے پرواہ ہوں (یعنی جس طرح اور شرکاء شرکت پر راضی ہو جاتے ہیں اور اپنے ساتھ کسی کی شرکت منظور کر لیتے ہیں' لیکن میں کسی کی ادنیٰ شرکت گوارا نہیں کر سکتا اور ہر قسم کی شرکت سے بالکل بے نیاز اور سخت بے زار ہوں) پس جو شخص کوئی عمل (عبادت وغیرہ) کرے جس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرے (یعنی اس عمل سے اُس کی غرض میری رضا اور رحمت کے علاوہ کسی اور سے بھی کچھ حاصل کرنا یا اس کو معتقد بنانا ہو) تو میں اس کو اور اس کے شرک دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں''۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ''میں اس سے بیزار اور بے تعلق ہوں' وہ عمل (میرے لیے بالکل نہیں بلکہ) صرف اس کے لیے ہے جس کے لیے اس نے کیا (یعنی جس کو اس نے شریک کیا)۔''

ریا ایک گناہ ہی نہیں ہے' بلکہ ایک ایسا عمل ہے جو بظاہر تو اچھا ہے مگر اس کے کرنے والا نہ صرف اجر سے محروم ہوگا بلکہ سزا کا مستوجب ہوگا۔ اسی لیے ریا کو شرکِ اصغر کہا گیا ہے' کیونکہ لوگوں کے دکھلاوے والا اپنے خیال میں تو اپنے عمل کو نیک سمجھ رہا ہوتا ہے اور بظاہر وہ عمل نیک بھی ہوتا ہے' لیکن اس عمل کی برائی عمل کرنے والے سے خفیہ ہوتی ہے' یعنی جس عمل کو نیک سمجھ رہا ہوتا ہے وہ شرک ہوتا ہے۔

ریاکاروں کی رسوائی قیامت کے دن دیدنی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنی عبادت اور ریاضت کے بدلے میں ثواب اور اچھے اجر کی امید رکھے ہوئے ہوں گے مگر وہاں ان کے لیے کسی اجر و ثواب کے بجائے فضیحت و رسوائی ہوگی۔ ان سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے ان اعمال کا بدلہ ان لوگوں سے ہی طلب کریں جن کو راضی کرنے کے لیے وہ یہ عمل کرتے رہے ہیں۔ حضرت ابوسعید بن ابی فضالہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيْهِ نَادٰى مُنَادٍ: مَنْ كَانَ اَشْرَكَ فِيْ عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلّٰهِ اَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ' فَاِنَّ اللّٰهَ اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ)) (رواہ الترمذی)

''جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن' جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے' سب آدمیوں (اوّلین و آخرین) کو جمع کرے گا تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا کہ جس شخص نے اپنے کسی ایسے عمل میں جو اُس نے اللہ کے لیے کیا تھا' کسی اور کو بھی شریک کیا تھا وہ اس کا ثواب اُسی دوسرے سے جا کر طلب کرے' کیونکہ اللہ تعالیٰ سب شرکاء سے زیادہ بے نیاز ہے شرک سے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول کرتا ہے جو بندہ خلوص کے ساتھ صرف اللہ کی خوشنودی اور اطاعت میں کرتا ہے' اور اگر اس عمل میں اللہ کے سوا کسی اور کی خوشنودی یا اس سے کسی قسم کا نفع یا مفاد مطلوب ہو تو ایسا عمل اس شرکِ خفی کی بنا پر رائیگاں جائے گا۔ ایسے شخص کو کہا جائے گا کہ وہ اپنے اس عمل کا ثواب اس سے جا کر مانگے جس کو اس نے اس عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو صرف وہ نیک عمل ثواب پائے گا جو صرف اور صرف اُس کی رضا کی خاطر کیا گیا ہوگا۔

ریاکاروں کو ریا کا بدلہ دنیا میں مل جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ نیک عمل کی وجہ سے انہیں

اپنی تعریف مقصود ہوتی ہے جو انہیں دنیا میں مل جاتی ہے۔ اس عمل کی وجہ سے وہ شہرت اور ناموری کے علاوہ متقی اور نیک مشہور ہو جاتے ہیں' لیکن قیامت کے دن اُن کے اعمال کی حقیقت واضح ہو جائے گی تو اُن کے ہاتھ رسوائی کے سوا کچھ نہیں آئے گا' ثواب کا تو ذکر ہی کیا۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ' وَمَنْ يُرَائِيْ يُرَائِي اللّٰهُ بِهٖ)) (متفق علیه)

''جو شخص شہرت حاصل کرنے کے لیے کوئی عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے گا'
اور جو کوئی دکھاوے کے لیے کوئی نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دکھائے گا۔''

جو بھی عمل' چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا' اگر اس میں ریا شامل ہو گئی تو وہ عمل نہ صرف نابود ہو جائے گا بلکہ فیصلے کے دن اُس کو بتا دیا جائے گا کہ تمہارے اس عمل کا بدلہ شہرت اور ناموری کی صورت میں تمہیں دنیا میں مل چکا ہے اور آج وہ عمل اللہ تعالیٰ سے ثواب پانے کے قابل نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((يَخْرُجُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَخْتِلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ' يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّانِ مِنَ اللِّيْنِ' اَلْسِنَتُهُمْ اَحْلٰى مِنَ السُّكَّرِ وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّيَابِ' يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: أَبِيْ يَغْتَرُّوْنَ؟ أَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِءُوْنَ؟ فَبِيْ حَلَفْتُ لَاَبْعَثَنَّ عَلٰى اُولٰئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ فِيْهِمْ حَيْرَانًا))

(سنن الترمذی)

''آخری زمانہ میں کچھ ایسے (مکار) لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے۔ وہ (لوگوں پر اپنی درویشی اور مسکینی ظاہر کرنے اور ان کو متأثر کرنے کے لیے) بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے۔ ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی' مگر ان کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے۔ (ان کے بارے میں) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکہ کھا رہے ہیں؟ یا مجھ سے نڈر ہو کر میرے مقابلے میں جرأت کر رہے ہیں؟ پس مجھے اپنی قسم ہے کہ میں ان پر انہی میں سے ایک ایسا فتنہ کھڑا کروں گا جو ان کے عقل مندوں اور داناؤں کو بھی حیران بنا کر چھوڑے گا۔''

عابدوں' عالموں اور سخاوت کرنے والوں کے لیے اس میں خوفناک وعید ہے کہ وہ اتنا اعلیٰ کام

کرنے کے باوجود ریا کاری کی وجہ سے دوزخ کے بدترین طبقے میں ڈالے جائیں گے۔ دانش مندی یہ ہے کہ ہر چھوٹا یا بڑا نیک کام کرتے وقت اللہ ربّ العزت کا خوف ذہن میں رکھا جائے اور ریا کاری کو قریب بھی نہ آنے دیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مسلم شریف کی ایک طویل حدیث کا خلاصہ اس طرح ہے کہ قیامت کے دن تین شخص باری باری اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے۔ پہلا شخص وہ ہوگا جو میدانِ جہاد میں مقتول ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے پوچھنے پر وہ کہے گا کہ میں نے تیری نعمتیں استعمال کیں' یہاں تک کہ میں جہاد میں شامل ہوا اور شہادت پائی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تُو جھوٹ کہتا ہے' تُو نے جہاد میں حصّہ اس لیے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں۔ چنانچہ ایسا ہو گیا اور تُو دنیا میں بہادر مجاہد مشہور ہو گیا۔ پھر اسے اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنّم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر ایک دوسرا شخص عالم دین پیش ہوگا۔ وہ کہے گا: اللہ عزّوجل! میں نے تیری دی ہوئی نعمتیں استعمال کیں' دین کا علم خوب حاصل کیا اور دوسروں کو تعلیم دیتا رہا۔ میں نے قرآن پڑھنے پڑھانے کا کام تیری رضا کے لیے کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تُو نے یہ بات جھوٹ کہی۔ تُو نے تو علم دین اس لیے سیکھا اور لوگوں کو سکھایا تھا تاکہ لوگ تجھے قاری' عالم اور عابد کہیں۔ تو یہ مقصد پورا ہو چکا۔ دنیا میں تُو عالم اور قاری مشہور ہوا' تجھے اس پر بڑی عزّت اور شہرت ملی۔ پھر اس شخص کو بھی اوندھے منہ گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اس کے بعد ایک تیسرا آدمی اللہ کے حضور پیش ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے خوب مال دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تُو نے میرے دیے ہوئے مال کو کہاں کہاں خرچ کیا؟ وہ جواب دے گا کہ جس جس راستے میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند تھا' میں نے وہیں تیرا دیا ہوا مال خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تُو نے جھوٹ کہا' درحقیقت تُو نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ تیری سخاوت اور داد و دہش کے خوب چرچے ہوں' سو تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس بندے کو بھی اوندھے منہ گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

یہ حدیث اس قدر لرزا دینے والی ہے کہ بڑے بڑے نیکوکار بھی اس فکر میں پڑ جاتے ہیں کہ کہیں اس کا نیک عمل بھی ریا کا شکار نہ ہو گیا ہو۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے وقت کبھی کبھی بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ اس حدیث میں بیان کیے

گئے اعمال چوٹی کے نیک اعمال ہیں' لیکن ریاکاری نے ان کو زیرو کر دیا۔ بلکہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ دوسرے بڑے بڑے گناہ گاروں کا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا اور ان ریاکاروں کو سب سے پہلے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ ریا اس قدر گھناؤنا جرم ہے کہ بندے کو جہنّم میں پہنچا دیتا ہے۔ یہ سن کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفکّر ہوئے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ایسے شخص کے بارے میں کیا فیصلہ ہے جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے اس سے محبت کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((تِلْکَ عَاجِلُ بُشْرَی الْمُؤْمِنِ))(رواہ مسلم عن ابی ذر رضی اللہ عنہ) ''یہ تو مؤمن کی نقد بشارت ہے''۔ ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ اپنے چھوٹے بڑے نیک عمل کو ریا سے پاک رکھے' اس کا ہر عمل پورے خلوص کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو اور اسے اس سے کسی دنیوی منفعت کی خواہش نہ ہو۔ ایسے ہی اعمال حقیقت میں ذخیرۂ آخرت بنیں گے اور انسان کی نجات کا باعث ہوں گے۔

ریا کی شناعت واضح کرنے کے لیے اس حسابی قاعدے سے مدد لی جا سکتی ہے کہ کسی بڑے سے بڑے عدد کو صفر سے ضرب دیں تو وہ عدد صفر ہو کر نابود ہو جاتا ہے۔ یہی حال ریا کا ہے کہ یہ بڑے سے بڑے عمل کو نیست کر دیتی ہے' بلکہ اُلٹا گناہ کا کام بنا دیتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں کسی پچھلی اُمت کا ایک واقعہ ارشاد فرمایا' جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا ہوا نیک کام اگر کسی مشکل میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر کے اس سے مدد چاہی جائے تو ایسا کام دنیا کی مصیبت کو بھی ٹال دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تین آدمی کہیں جا رہے تھے کہ ان کو بارش نے آلیا تو وہ پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے۔ پہاڑ سے غار کے منہ پر ایک پتھر کی چٹان آ پڑی اور غار کا دہانہ بند ہو گیا۔ تینوں میں سے ایک نے دوسروں سے کہا: اپنے ان نیک عملوں پر نظر ڈالو جو خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے کیے ہوں' اور اس عمل کے وسیلہ سے اللہ سے دعا مانگو' امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پتھر یا اس مصیبت کو دور کر دے گا۔

ایک نے ان میں سے کہا: اے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے

کئی چھوٹے بچے تھے۔ میں بکریاں وغیرہ چرایا کرتا تھا کہ ان کا دودھ ان سب کو پلاؤں۔ جب شام ہو جاتی تو میں گھر آتا' دودھ دوہتا اور سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا' پھر بچوں کو دیتا۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ چراگاہ کے درخت مجھ کو دور لے گئے (یعنی بکریوں کو چراتا ہوا میں دور نکل گیا) اور وقت پر میں گھر واپس نہ آ سکا' یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ جب گھر پہنچا تو دیکھا کہ میرے ماں باپ دونوں سو گئے ہیں۔ میں نے حسب معمول دودھ دوہا اور پھر دودھ کا برتن لے کر ماں باپ کے پاس پہنچا اور ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ مجھے ان کو جگانا بھی برا معلوم ہوا اور یہ بھی کہ ماں باپ سے پہلے میں بچوں کو دودھ پلا دوں۔ بچے میرے پاؤں کے پاس پڑے بھوک سے روتے اور چلاتے رہے اور میں دودھ لیے کھڑا رہا۔ صبح تک یہی کیفیت رہی۔ اے اللہ! تُو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضامندی اور خوشنودی کے لیے کیا تھا' تو تُو اس پتھر کو اتنا کھول دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پتھر کو اتنا ہٹا دیا کہ آسمان نظر آنے لگا۔

دوسرے شخص نے کہا: اے اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی جس سے میں انتہائی محبّت رکھتا تھا' ایسی محبّت جیسی کسی مرد کو کسی عورت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ ایک بار میں نے اس سے ملاپ کی خواہش ظاہر کی جب کہ وہ انتہائی ضرورت مند تھی۔ اس نے کہا کہ مجھے سو اشرفیوں کی ضرورت ہے۔ میں نے کوشش شروع کی اور سو اشرفیاں جمع کر لیں۔ ان کو لے کر میں اس کے پاس پہنچا اور پھر جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا (یعنی جماع کے لیے) تو اُس نے کہا: اے خدا کے بندے! خدا سے ڈر اور مہر کو نہ توڑ! میں خدا کے خوف سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا (یعنی اس سے جماع نہیں کیا)۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہ فعل محض تیری رضامندی اور خوشنودی کے لیے تھا تو اس پتھر کو ہٹا دے اور ہمارے لیے راستہ کھول دے۔ ربّ تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا سا اور ہٹا دیا۔

تیسرے شخص نے کہا: اے اللہ! میں نے ایک شخص کو ایک فرق (پیمانہ) چاول کے معاوضہ پر مزدوری پر لگایا تھا۔ جب وہ شخص اپنا کام ختم کر چکا تو کہا کہ میری مزدوری مجھ کو دلوائیے۔ میں اس کی مزدوری دینے لگا تو وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا اور پھر اپنے حق کو لینے کے لیے نہ آیا۔ میں نے اس کی مزدوری کے چاولوں سے کاشت شروع کر دی اور ہمیشہ کاشت کرتا رہا' یہاں تک کہ ان چاولوں کی قیمت سے میں نے بہت سے بیل اور

ان کے چرواہے جمع کر لیے۔ پھر مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہا: خدا سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر اور میرا حق میرے حوالے کر۔ میں نے کہا کہ ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا (کہ وہ تیرا حق ہے)۔ اس نے کہا: خدا سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا' ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا' یہ سب تیرے ہی ہیں۔ چنانچہ اس نے ان سب کو جمع کیا اور لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہ فعل تیری خوشنودی اور رضامندی کے لیے تھا' تو تُو اس پتھر کو بالکل ہٹا دے۔ چنانچہ اللہ ربّ العزت نے پتھر کو ہٹا دیا اور راستہ کھول دیا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے پُرخلوص نیک کام کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے تو اس سے دنیا کی تکالیف اور مصائب بھی ٹل سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص گناہ کا ارادہ کرے اور اسے اس کا موقع بھی مل جائے مگر عین گناہ کے ارتکاب کے وقت اُس پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا خوف طاری ہو جائے اور وہ اس کارِ بد سے باز آ جائے تو اس کام کو بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا کی قبولیت کے لیے بطور وسیلہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

ہر شخص کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ ہمہ وقت اس فکر میں رہے کہ اس کی ہر نیکی ریا سے پاک ہو' تاکہ وہ اس قابل ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ٹھہرے۔ فرض نماز اور زکوٰۃ تو ادا کرنی لازم ہے' لہٰذا پنجگانہ نماز مسجد میں ادا کی جائے' لیکن نوافل گھر میں ادا کیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کا بھی معمول تھا کہ آپؐ گھر میں نوافل ادا کیا کرتے تھے اور اتنی کثرت سے نوافل پڑھا کرتے تھے کہ کبھی طویل قیام کی وجہ سے آپؐ کے قدموں میں ورم آ جاتا تھا۔ چنانچہ فرض نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے' تاکہ یہ عبادت لوگوں سے خفیہ رہے اور اللہ کے ہاں اجر کا باعث ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اجْعَلُوا مِنْ صَلَاتِكُمْ فِي بُيُوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا)) (رواہ مسلم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما) ''تم اپنی نمازوں کو اپنے گھروں میں پڑھا کرو اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ''۔ یہ بات نفل نمازوں کی ہے اور نفل نمازوں میں سب سے اعلیٰ نماز ''تہجد'' ہے جو عموماً رات کے آخری حصے میں ادا کی جاتی ہے جب اللہ کے سوا نمازی کو کوئی نہیں دیکھ رہا ہوتا' حتیٰ کہ افرادِ خانہ بھی سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس نماز کی فضیلت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ گھر میں رات کے آخری پہر

پڑھنے سے ریا کا کوئی شائبہ نہیں رہتا اور اُس وقت بندے کا تعلق صرف اپنے پروردگار کے ساتھ ہوتا ہے۔

صدقات وخیرات کی بڑی اہمیت ہے' مگر ریاکاری ایسی مہلک شے ہے کہ باقی نیک اعمال کی طرح یہ صدقہ وخیرات کو بھی بے اثر بنا دیتی ہے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی سایہ میں جگہ عطا کرے گا' جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا''۔ ان میں سے ایک وہ ہے: ((وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ)) (رواہ مسلم) ''وہ آدمی جو صدقہ اس طرح چھپا کر دیتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے''۔ اس قدر چھپا کر دیا ہوا صدقہ محض اللہ کی رضا کے لیے ہوگا اور شرفِ قبولیت پائے گا۔

اس میں شک نہیں کہ بہترین صدقہ وہی ہے جو دکھلاوے کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دیا جائے' مگر بعض اوقات کسی خاص مصلحت کے لیے صدقہ وخیرات ظاہراً دینے کی بھی اجازت ہے' مثلاً اپنے عمل سے دوسروں کو ترغیب دینے یا کسی مستحق کی نشاندہی کرنے کے لیے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اس کام میں ریا بالکل نہ ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۲۷۱﴾ (البقرۃ)

''اگر تم صدقات کو ظاہر کر کے دو تو کیا ہی اچھی بات ہے' اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے حق میں۔ اور وہ دور کرے گا کچھ گناہ تمہارے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب باخبر ہے تمہارے کاموں سے۔''

گویا خیرات دینے والے کی تمنا ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہی ہو۔ لوگوں میں شہرت پانے کا جذبہ نہ ہو اور نہ ہی فقیر سے اس کے بدلے کوئی خدمت لینے کا ارادہ ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ریاکاری سے محفوظ فرمائے اور ہمارے نیک اعمال کو شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین یاربّ العالمین!

❁❁❁

قرآن حکیم کی عظمت‘ تعارف اور حقوق و مطالبات
جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ

قرآن حکیم اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ تقریباً 500 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

خود پڑھیے۔ دوسروں کو تحفہ میں دیجیے!

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 600 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 350 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-042-35869501
maktaba@tanzeem.org

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی
عزیمت و عظمت کی صحیح تصویر

سانحۂ کربلا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے
مناقب اور آپ کی مظلومانہ
شہادت کے بیان پر جامع تالیف

شہیدِ مظلوم رضی اللہ عنہ

- یہود نے عہد صدیقیؓ میں جس سازش کا بیج بویا تھا‘ آتش پرستانِ فارس کے جوشِ انتقام نے اسے تناور درخت بنا دیا تھا۔
- وہ آج بھی قاتلِ خلیفۂ ثانیؓ ابولولو فیروز مجوسی کی قبر کو متبرک سمجھتے ہیں۔
- علی مرتضیٰؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی قاتلینِ عثمانؓ کی سازش کا شکار ہوئے۔
- سید الشہداء کون ہیں اور شہیدِ مظلوم کون؟ تاریخی حقائق کو سمجھنے کے لئے

بانی تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کی دو جامع اور مختصر مگر عام فہم اور محققانہ تاریخی کتابوں
کا مطالعہ کیجئے

دونوں کتابوں کے سیٹ کی مجموعی قیمت
اشاعت خاص: 110 روپے اشاعت عام: 65 روپے
(علاوہ ڈاک خرچ)

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔ کے‘ ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-35869501
email:maktaba@tanzeem.org

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

وفاق المدارس سے الحاق شدہ

کلیۃ القرآن (قرآن کالج) لاہور

191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو خود قرآن سیکھتے ہیں اور دوسروں کو قرآن سکھاتے ہیں۔'' (حدیث نبوی ﷺ)

درس نظامی کے ساتھ ساتھ میٹرک (آرٹس، سائنس)۔ ایف اے۔ بی اے اور ایم اے کے خواہش مند طلبہ کے لیے

آن لائن داخلے شروع

- کرونا وائرس اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے لاہور تشریف لائے بغیر بذریعہ واٹس ایپ اپنے کوائف ارسال کریں۔ مطلوبہ قابلیت کا جائزہ لینے کے بعد داخلہ دینے یا نہ دینے کے بارے آپ کو اطلاع کر دی جائے گی۔
- ریگولر کلاسز کے لیے حکومت پاکستان، وفاق المدارس کی ہدایات کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔
- کوائف ارسال کرنے کے لیے درج ذیل نمبروں پر رابطہ کریں۔

1۔ مولانا محمد فیاض صاحب 0322-4939102

2۔ شہریار صاحب 0301-4882395

خصوصیات

- دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم
- حفاظ، ذہین اور مستحق طلبہ کے لیے مراعات
- وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ، پنجاب یونیورسٹی کا نصاب
- نمایاں پوزیشن والے طلبہ کے لیے وظائف

المعلن حافظ عاطف وحید، مہتمم ریاض اسماعیل، پرنسپل

Sep 2020
Vol.69

Regd. CPL No. 115
No.9

Monthly Meesaq Lahore